۱

سرخیاں

مضامین	صفحات	مضامین	صفحات
عمر عائشہؓ پر ایک نظر	۱	چودہویں دلیل	۳۳
پہلی دلیل	۸	پندرہویں دلیل	۳۶
دوسری دلیل	۸	سولہویں دلیل	۳۹
تیسری دلیل	۸	سترہویں دلیل	۴۱
چوتھی دلیل	۹	حضرت عائشہؓ کی رخصتی	۴۱
پانچویں دلیل	۱۰	اٹھارویں دلیل	۴۳
چھٹی دلیل	۱۳	انیسویں دلیل	۴۴
ساتویں دلیل	۱۶	بیسویں دلیل	۴۷
آٹھویں دلیل	۱۷	اکیسویں دلیل	۵۶
نویں دلیل	۲۰	بائیسویں دلیل	۵۸
دسویں دلیل	۲۳	تیئسویں دلیل	۵۸
ام المومنینؓ غزوہ بدر میں شریک تھیں	۲۳	کمسن لڑکیوں کی شادی کا رواج؟	۵۸
گیارہویں دلیل	۲۷	حضرت فاطمہؓ کا نکاح	۵۹
ام عمارہؓ	۲۸	حضرت ام کلثومؓ	۶۰
ام سلیمؓ	۲۸	حضرت اسماءؓ	۶۰
ام المومنین حضرت عائشہؓ	۲۹	چوبیسویں دلیل	۶۱
بارہویں دلیل	۳۰	اجماع عملی	۶۱
تیرہویں دلیل	۳۲	حضرت خدیجہؓ کی عمر	۶۴

---

(۱) اشاعت پنجم (۲) مئی ۱۹۹۷ (۳) تعداد ۱۱۰۰

(۴) صفحات ۶۴ (۵) قیمت: روپیہ صرف ۱۶/

مآخذ علمی

0	صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل البخاری
0	صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج القشیری
0	سنن ابی داؤد	سلیمان بن اشعث السجستانی
0	سنن نسائی	احمد بن شعیب النسائی
0	جامع ترمذی	محمد بن عیسیٰ ترمذی
0	سنن ابن ماجہ	محمد بن عبداللہ بن یزید بن ماجہ
0	سنن دارمی	ابو عبدالرحمان عبداللہ بن عبدالرحمان الدارمی
0	مسند حمیدی	عبداللہ بن الزبیر الحمیدی
0	تہذیب التہذیب	حافظ ابن حجر
0	کتاب الضعفاء	عقیلی
0	میزان الاعتدال	حافظ ذہبی
0	الجرح والتعدیل	عبدالرحمان بن ابی حاتم مروزی
0	فتح المغیث	حافظ سخاوی
0	طبقات	ابن سعد
0	الاکمال فی اسماء الرجال	ولی الدین الخطیب
0	البدایۃ والنہایہ	حافظ ابن کثیر
0	تقریب التہذیب	حافظ ابن حجر
0	تاریخ طبری	محمد بن جریر طبری
0	سیر الاعلام النبلاء	حافظ ذہبی
0	السیرۃ	ابن ہشام
0	السیرۃ النبویہ	حافظ ابن کثیر
0	حیات سید العرب	
0	اصح السیر	عبدالرؤف داناپوری
0	سیرت النبیؐ	شبلی
0	صحابیات	نیاز فتح پوری
0	سیرت الصدیقؓ	مولانا سعید احمد اکبرآبادی
0	المسند	امام احمد
0	سیرت عائشہؓ	سید سلیمان ندوی
0	الاصابہ فی احوال الصحابہ	حافظ ابن حجر
0	عمر عائشہؓ	حکیم نیاز احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

عمر عائشہؓ پر ایک تحقیقی نظر

از

ہم طالب علمی کے دور سے آج تک پڑھتے اور سنتے آئے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ام المومنین عائشہؓ بنت ابی بکرؓ سے نکاح فرمایا تو اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی اور جب ام المومنینؓ رخصت ہو کر آئیں تو ان کی عمر نو سال تھی ۔ اتفاق سے یہ روایت تمام کتب احادیث میں پائی جاتی ہے ۔ اور ہمارے علماء ہمیں اس کی تاویل سناتے رہے کہ عرب کا علاقہ گرم ہے ۔ لہذا وہاں اس عمر میں لڑکیاں بالغ ہو جاتی ہیں ۔

ہم زندگی کے ایک طویل عرصہ تک اسی تخیل میں مبتلا رہے ۔ حتیٰ کہ کراچی میں آکر رہنا بسنا ہوا اور انگریزی تعلیم یافتہ حضرات سے جب بھی اور جہاں بھی ملاقات ہوئی وہ اس داستان کو خلاف عقل قرار دیتے نظر آئے اور ہم اس روایت کا دفاع کرتے کرتے تھک گئے ۔ کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس روایت کے بل بوتے پر انگریزی معاشرہ کو اسلام پر فوقیت دیتے ہیں ، کچھ اسلام کا مذاق اڑاتے اور کچھ اس روایت کے نام سے حدیث کا مذاق اڑاتے ، کچھ مزید علمی انداز میں فرماتے اصل تو تاریخ ہے ، یہ حدیث تو عجمی ملاؤں کا فراڈ ہے ۔ بلکہ بعض ایسے افراد بھی سامنے آئے کہ جن کی پہنچ اس حد تک ترقی کے زینے طے کر چکی تھی کہ صاحب اصل کلام تو یہ ہے کہ بخاری نے جو گمراہی پھیلائی ہے اس کا رد لکھا جائے ۔ یہ ہیں وہ تصورات جو انگریزی تعلیم یافتہ ذہنوں میں پیدا کئے جاتے اور ایک دوسرے تک پھیلتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض افراد یہ کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے کہ صاحب بوالہوسی کی حد ہوتی ہے کہ نو سال کی لڑکی سے ہوس پوری کی جارہی ہے ۔ معاذاللہ اور کہنے کو ماشاء اللہ سب مسلمان ہیں ۔

ہم یہ سب کچھ سنتے اور سوچتے کہ آخر اس کا علاج کیا ہے ۔ اس علاج کی تلاش میں ، ہم نے تاریخ .

الانساب، جرح و تعدیل، علل، رجال اور شیعہ مذہب کا مطالعہ کیا اور تحقیق حال کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ تاریخ اسلامی کا سب سے بڑا فراڈ مذہب تشیع ہے۔ اور اس نے اس فراڈ کے لئے جو حربہ استعمال کیا ہے اس کا نہایت پیارا اور خوبصورت نام تاریخ ہے۔ جس کے فراڈ کا ثبوت ہم نے مذہبی داستان میں پیش کیا ہے۔

اصول حدیث، رجال، علل اور موضوعات کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ محدثین کرامؒ نے اس سیلاب کے آگے بڑی بڑی دیواریں کھڑی کر رکھی ہیں۔ افسوس اسی کا ہے کہ محدثین نے اس سیلاب کی رکاوٹ کے لئے جو بند باندھے تھے انہیں خود سنی ہی دیکھنا گوارہ نہیں کرتے۔ ورنہ ہمارے محدثین کرامؒ ایسے بے بہا اصول عنایت کر گئے ہیں کہ انھیں سامنے رکھ کر ہر کھرے کھوٹے کو جدا کیا جا سکتا ہے۔ اور امام بخاری نے تشیع کے سیلاب کے آگے بہت بند باندھا ہے۔ صحیح بخاری پر تنقید کا مقصد ہے تشیع کے ہاتھ مضبوط کرنا۔ لہذا ہمارا ایمان بخاری پر اور قوی تر ہوگیا۔ لیکن اس سلسلہ میں عوام دو مغالطوں کا شکار ہیں۔

۱) بخاری نے اپنی جانب سے ایسے وقت میں جبکہ ہر جانب سے جھوٹ کا ایک سیلاب امڈتا آرہا تھا۔ پوری لگن اور محنت کے ساتھ اس جھوٹ کو علیحدہ کرنے کی پوری کوشش کی اور اس حد تک کی کہ آج تک اس فن میں ان کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔ لیکن بہرصورت وہ انسان ہیں اور انسان ہونے کے ناطے غلطی اور خطا ممکن ہے اور غلطی قابل گردن زدنی نہیں ہوتی اسے ہرگز جرم نہیں کہا جا سکتا، جرم تو وہ ہوتا ہے جس کا جرم ہونا انسان کو معلوم ہو اور وہ غلطی عمداً اختیار کی جائے تو حاشا وکلا امام بخاری پر اس قسم کا کوئی الزام قائم نہیں کیا جا سکتا۔

۲) بخاری نے ہر حدیث راویوں کے ذریعہ نقل کی ہے اور وہ راوی معصوم نہیں۔ بلکہ بہت سے راوی ایسے ہیں جو بخاری کے نزدیک ثقہ ہیں۔ لیکن وہ دوسروں کے نزدیک ثقہ نہیں اور کسی کو ثقہ یا غیر ثقہ قرار دینا ایک اجتہادی مسئلہ ہے [illegible] اور جرم نہیں کہا جا سکتا

ان حالات میں ہم نے اس روایت پر از سرنو غور شروع کیا۔ اور غور و فکر کے بعد جو امور سامنے آتے گئے ہم وہ قارئین کے سامنے پیش کئے دیتے ہیں۔ اس معاملہ میں کسی خاص فرد بشر یا کسی خاص گروہ کی تقلید نہیں کی۔

عمر عائشہؓ کے سلسلہ میں اب تک جن حضرات نے جو کچھ تحریر کیا ہے ان میں علمی لحاظ سے سب سے اہم کتاب حکیم نیاز احمد صاحب کی کتاب "عمر عائشہؓ" ہے۔ لیکن اس میں فنی

مباحث کی بہتات ہے جس کے باعث ہم جیسے طالب علموں کی سمجھ سے بالاتر ہے۔

ہم اس سلسلہ میں نہ کوئی کتاب تصنیف کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہمارے پاس اتنا وقت ہے۔ ہم تو صرف ان تاثرات کو الفاظ کا جامہ پہنانا چاہتے ہیں جو مطالعہ کے دوران ہم پر اثر انداز ہوتے رہے ہیں۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بلوغ کی یہ حد صرف ام المومنین حضرت عائشہؓ تک محدود تھی یا تمام عرب میں ایسا ہوتا آیا ہے۔ کیونکہ اس قاعدہ کی رو سے تمام ان گرم ممالک میں جہاں کی آب و ہوا عرب جیسی ہو یا اس کے قریب ہو جیسا کہ بیشتر ممالک افریقہ، لیبیا، تیونس، سوڈان، مراکش اور ایشیا کے وہ علاقے جو منطقہ حارہ پر واقع ہیں یا اس کے قریب واقع ہیں۔ جیسا کہ پاکستان میں ملتان، سکھر، سبی اور جیکب آباد کے علاقے اپنی گرمی کے باعث مشہور ہیں ان تمام ممالک میں ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے دس گیارہ سال کی عمر میں تمام لڑکیوں کو بالغ ہو جانا چاہیئے اور پاکستان میں دو چار لاکھ نہ سہی دو چار ہزار سہی نو سالہ عمر کی مثالیں دستیاب ہونی چاہیئے تھیں۔ اور جزیرۃ العرب میں ایسی لاتعداد تمثیلات پائی جانی چاہیئے تھیں۔ اگر تاریخ نے اس قسم کے واقعات کو نظرانداز کر دیا تھا اور انھیں قابل ذکر تصور نہیں کیا تھا تو آج بھی جزیرۃ العرب اسی جگہ برقرار ہے اور آج بھی مکہ اور مدینہ علیٰ حالہ اپنی جگہ قائم ہیں۔ وہ اپنے مقام سے ایک انچ نہیں ہٹے۔ آج بھی جزیرۃ العرب کی آب و ہوا وہی ہے جو آج سے پندرہ سو سال قبل تھی۔ آج بھی مکہ کی گرمی مشہور ہے بلکہ ہم تو مارچ کے مہینہ میں وہاں کی گرمی کا مزا چکھ چکے ہیں اور آج اس دور کی نسبت مواصلات کے ذرائع کافی تعداد میں میسر ہیں۔ بلکہ لاکھوں پاکستانی سرزمین عرب میں برسر روزگار ہیں۔ اور بہت سوں کے بیوی بچے وہاں زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن آج تک ہمارے سامنے کسی نے یہ شگوفہ نہیں پیش کیا کہ وہاں لڑکیاں اس عمر میں بالغ ہو جاتی ہیں اور کسی پاکستانی نے ہم سے آج تک یہ بیان نہیں کیا کہ صاحب میرے بیوی بچے سعودیہ میں میرے پاس رہتے تھے اور وہاں کی آب و ہوا کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ماشاء اللہ سب ہی نو سال کی عمر میں شادی کے قابل ہو گئے ہیں۔ صاحب اب ہمیں یقین آ گیا کہ واقعتاً ام المومنینؓ کی رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی ہوگی۔ اگرچہ یہ اشکال تب بھی قائم رہے گا کہ اس زمانے کی بقیہ لڑکیوں کی کیا صورت حال تھی جو انشاء اللہ ہم آئندہ پیش کریں گے۔

یہاں ہم جو کچھ بھی لکھ رہے یا لکھنا چاہتے ہیں اس کا مقصد بخاری و مسلم کی حدیث کا

رد نہیں بلکہ دشمنان اسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر جو کیچڑ اچھالتے ہیں اسکا جواب مقصود ہے۔

بہر صورت یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس بخاری و مسلم کے راویوں سے زیادہ معظم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو تسلیم کئے بغیر ایمان و اسلام کا کوئی وجود نہیں۔ اور بخاری و مسلم کے راویوں پر ایمان لانا نہ ہم پر لازم ہے اور نہ ان راویوں کی ذاتیات کا ایمان سے کوئی تعلق ہے۔

ہم تو ایک مومنانہ اور طالب علمانہ حیثیت سے صرف اتنی بات جانتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تو بہت اعلیٰ و ارفع بلکہ ہمارے تخیلات سے بھی زیادہ بلند و بالا ہے اگر کسی روایت سے کسی اور نبی کی شان نبوت پر حرف آتا ہو تو ہمارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی داستان کو زمین پر دے مارنا چاہیئے۔

معاف کیجئے یہ الفاظ بھی ہمارے نہیں۔ محدثین جگہ جگہ یہ لفظ استعمال فرماتے ہیں ارم بہ .. "اس روایت کو پھینک مارو" وہ تو معمولی سی خامی دیکھ کر یہ بات فرماتے ہیں۔ یہاں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کریمہ کو بوالہوس بنا کر پیش کیا جارہا ہے۔ آپؐ کی ذات کی خاطر لاکھوں ایسی روایات قربان کی جاسکتی ہیں۔ جو عن ھشام بن عروۃ کے ذریعہ مروی ہوں۔ اس لئے کہ یہ تمام سندات اور یہ تمام محدثین حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات کا کرشمہ ہیں۔ ہم انھیں آپ کی ذات پر قربان کرتے ہیں۔

ہم یہ بھی جانتے ہیں اور محدثین نے اس کی صراحت بھی کی ہے کہ جو حدیث حسیات اور مشاہدے کے خلاف ہو یقیناً وہ موضوع ہوتی ہے حتیٰ کہ ابن جوزی تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو روایت عقل صریح کے خلاف ہو یقیناً وہ موضوع ہوگی بلکہ ایسی روایت کے راویوں پر بحث بھی فضول ہے۔ اور محدثین کرامؒ نے اس اصول سے متعدد جگہ کام لیا ہے۔ اگر ہم نے اپنے اوپر پابندی عائد نہ کی ہوتی کہ ہم کوئی کتاب تحریر نہ کریں گے تو ہم اصول کی متعدد مثالیں قارئین کے سامنے پیش کر دیتے۔

ہم محدثین کرامؒ کے اس فیصلہ سے بھی باخبر ہیں کہ کسی راوی کی صداقت یا کذب کا فیصلہ ایک ظنی امر ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ جسے ہم سچا سمجھ رہے ہیں وہ دراصل سچا نہ ہو اور جسے ہم جھوٹا قرار دے رہے ہیں فی الواقع وہ جھوٹا نہ ہو۔ اور یہ بھی یقینی شئے نہیں کہ ہر جھوٹا آدمی ہمیشہ جھوٹ ہی بولتا ہو اور ہر سچا آدمی ہمیشہ سچ ہی بولتا ہو، کیونکہ کسی نے دوسرے

کا دل چیر کر نہیں دیکھا۔

محدثین کرامؒ جب کسی شخص کے بارے میں یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ صادق ہے۔ ثقہ ہے۔ نیک آدمی ہے تو وہ اس راوی کے ظاہر کو دیکھ کر یا لوگوں سے سن کر فیصلہ کرتے ہیں۔ یہ ان کا ایک ظن غالب ہوتا ہے۔ اور ہر صورت میں یہ امکان باقی رہتا ہے کہ فی الواقع وہ راوی صادق نہ ہو بلکہ دھوکہ دہی کے ذریعہ لوگوں میں نیک اور پارسا بن گیا ہو۔ اور جسے وہ جھوٹا قرار دے رہے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ اسے اس کے دشمنوں نے بدنام کر دیا ہو۔ اور وہ واقعتاً جھوٹا نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات راوی کے بارے میں محدثین کے فیصلے مختلف ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر عبدالرزاق بن ہمام کو دیکھ لیجیے۔ متعدد محدثین کا فیصلہ ہے کہ وہ ثقہ ہے۔ یحیٰ بن معین کہتے ہیں وہ شیعہ ہے۔ میرے سامنے فلاں فلاں بات ہوئی۔ احمد کہتے ہیں میں نے تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی۔ یزید بن زریع کہتے ہیں وہ تو رافضی ہے اور اللہ کی قسم وہ تو واقدی سے زیادہ جھوٹا ہے۔

ہمارے لئے یہ تمام حضرات محدثین قابل احترام ہیں۔ ان کی آراء میں جو تعارض پیدا ہو رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات میں سے ہر شخص اپنا تجربہ اور مشاہدہ بیان کر رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہمیں ان حضرات کے فیصلوں میں سے ایک نہ ایک کو قبول کرنا ہے۔

ان حضرات محدثین کے پاس کوئی ایسا تھرما میٹر یا آلہ موجود نہ تھا جس سے وہ راوی کی صداقت اور کذب بیانی کا پتہ چلاتے۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً ان حضرات میں ہرگز اختلاف واقع نہ ہوتا۔ اور ہمارے پاس بھی کوئی ایسا آلہ موجود نہیں اور نہ دنیا میں آج تک کوئی ایسا آلہ ایجاد ہوا ہے جو مرنے والوں کی صداقت اور کذب بیانی کا پتہ چلا سکے۔

اس سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آگئی کہ جب کوئی محدث یہ کہتا ہے کہ فلاں حدیث صحیح ہے اور فلاں روایت منکر ہے۔ تو وہ معلومات اور تخلیل پیش کرتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ فی الواقع اس کی رائے درست بھی ہو۔ لیکن جس نے اپنی رائے اور اپنے علم سے یہ فیصلہ دیا ہے ہم اسے بھی ہرگز جھوٹا نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ وہ اپنی جانب سے جھوٹ نہیں بول رہا ہے۔

ایسی صورت میں یہ ممکن ہے کہ ایک محدث کے پیش نظر امام احمد کا مشاہدہ ہو اور دوسرا جو اس راوی کی روایت کا انکار کر رہا ہے اس کے سامنے کسی اور محدث کا فیصلہ ہو۔

اس سے یہ نتیجہ سامنے آیا کہ جب محدثین یہ کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ یہ ان کا اپنا ظن ہوتا ہے۔ اب اگر اسے کوئی قرآن کی طرح صحیح تصور کرنے لگے۔ یا دوسرا اس محدث کی ذات پر اعتراضات شروع کر دے تو ہمارے نزدیک یہ دونوں اس لائق ہیں کہ ان کا دماغی علاج کرایا جائے کیونکہ "عشق جسے کہتے ہیں خلل ہے دماغ کا" فرق صرف یہ ہے کہ کسی کو اس کے صحیح ماننے کا عشق ہے اور کسی کو اس کی تکذیب کا عشق ہے کسی کو محدثین کی جا و بیجا بات کا عشق ہے اور کسی کو ان کی دشمنی کا عشق ہے۔ کوئی اکابر پرستی کا عاشق ہے اور کسی کو اس بات کا عشق ہے کہ جو اسلاف کا نام لے اس کا منہ نوچ لو۔ بہر صورت ہر دو عشق ہیں، اور بقول امام العشاق

کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

ہم یہ بھی جانتے ہیں اور دنیائے اسلام کا ہر فرد و بشر اس بات کو خوب جانتا اور اس پر ایمان رکھتا ہے کہ انبیاء کرامؑ کے علاوہ کوئی معصوم نہیں۔ بلکہ وہ بھی سہو و نسیان اور خطائے اجتہادی سے پاک نہیں تو یہ تصور کہ بخاری و مسلم یا کوئی اور ثقہ راوی سہو و نسیان یا خطا سے پاک ہے۔ یہ براہ راست انبیاء کرام علیہم السلام کی ذات پر حملہ ہے۔ میں اس تصور کے سلسلے میں اس وقت صرف اتناہی عرض کر سکتا ہوں کہ سبائیوں نے صرف بارہ اماموں کو معصوم مانا تھا لیکن ہمارے سنی بھائیوں نے اپنی جہالت اور حماقت سے لاکھوں معصومین کی فوج تیار کر دی۔ بلکہ عالم بالا میں یہ معصومین اتنی تعداد میں جا لیے ہیں کہ "اڑتی خبر ہے زبانی طیور کی" کہ وہاں ان کی مردم شماری ہونے والی ہے تا کہ ان کی باقاعدہ بستیوں کا انتظام کیا جا سکے۔

یہی وجہ ہے کہ محدثین کرامؒ ثقہ راویوں کی بعض روایات کو منکر قرار دیتے ہیں۔ کتب رجال میں اس کی لاتعداد مثالیں دستیاب ہو سکتی ہیں۔ علی ابن المدینی نے امام مالک کی تین روایات کو منکر قرار دیا ہے۔ احمد ابن حنبل نے سفیان بن عینیہ کی منکرات کی تعداد تیس سے زیادہ قرار دی ہیں۔ ابن حزم نے بخاری کی معراج والی روایت کو منکر قرار دیا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ نے صحابہؓ کی مرویات پر تنقید فرمائی اور فرمایا "میں یہ تو نہیں کہتی کہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں لیکن کان سننے میں غلطی کر جاتے ہیں۔" بخاری و مسلم میں اس قسم کی متعدد تنقیدات موجود ہیں۔ اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ بعض اوقات راوی انتہائی معتبر ہوتا ہے۔ لیکن اس کی بیان کردہ روایت تب بھی غلط ہوتی ہے۔

کبھی اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ راوی نے ادھوری بات سنی ہوتی ہے۔ کبھی راوی

مفہوم غلط سمجھ بیٹھتا ہے ، کبھی اس سے بھول واقع ہوتی ہے ۔ ہم بھی بقول ام المومنینؓ یہ کہتے ہیں کہ راوی سے سننے میں غلطی ہوئی ۔ جملہ بولا گیا تھا تسع عشرہ (انیس) راوی نے صرف تسع (نو) کا لفظ سنا اور اس طرح اس داستان نے جنم لیا کہ بعض اوقات کان سننے میں غلطی کرتے ہیں ۔

کیونکہ جب صحابہ کرامؓ سے غلطی ہو سکتی ہے اور جب حضرت عمرؓ، ابوہریرہؓ، اور ابن عمرؓ وغیرہ غلطی کر سکتے ہیں تو عروۃ بن الزبیر اور ان کے صاحبزادے ہشام سے یقیناً غلطی ہو سکتی ہے ۔ اور غلطی پکڑنے کی وجہ سے آج تک کسی نے ام المومنین حضرت عائشہؓ کو منکر حدیث نہیں کہا تو اگر ہم ہشام کی غلطی بیان کرتے ہیں تو ہم کس قانون سے منکر حدیث ہوتے ۔ کیونکہ کسی حدیث کا انکار اور شے ہے اور غلطی کی نشان دہی اور شے ہے ۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو عقل سلیم عطا فرمائے اسی طرح جھوٹ بولنا اور شے ہے اور غلطی کا صدور اور شے ہے ۔

عمر عائشہؓ کے سلسلے میں ہم اس بات کے مدعی نہیں ہیں کہ بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت عائشہؓ کے نکاح کے سلسلے میں جو روایت عن ھشام بن عروہ کی سند سے مروی ہے وہ موضوع ہے اور اس کا فلاں راوی کذاب ہے ۔ ہم نے ایسا دعویٰ ہرگز نہیں کیا بلکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ اس روایت میں ہشام سے غلطی ہوئی اور اس نے غلطی سے انیس کو نو بنا دیا ۔ جس کی ہمارے پاس مختلف دلیلیں ہیں ۔ اگر کوئی دلیل بھی نہ ہوتی تب بھی ، اس روایت کو ہم منکر قرار دیتے ، اس لئے کہ ہمیں اس روایت کے راویوں سے کہیں زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پیاری ہے ۔۔۔۔

******

پہلی دلیل

یہ روایت تجربہ و مشاہدہ اور فطرت انسانی کے خلاف ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکا صدور ممکن نہیں۔ اگر ایسا وقوعہ پیش آتا تو اس دور کے مخالفین اسلام اور دشمنان رسولؐ آپ کی عزت سے کھیلنا شروع کردیتے اور جب مخالفین اسلام کی جانب سے کوئی اعتراض ظہور میں نہیں آیا تو یہ ثابت ہوا کہ ایسا کوئی فعل سرزد نہیں ہوا جو کسی دشمن کو انگشت نمائی کا موقع ملتا۔ لازماً اس روایت میں کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہوئی۔ اور کیونکہ اس روایت کو ھشام سے متعدد افراد نے نقل کیا ہے اس لحاظ سے تمام شبہات ہشام پر جاکر مرکوز ہوجاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اس روایت کا مرکزی راوی ہے۔

دوسری دلیل

جو روایت عقل صریح کے خلاف ہو وہ باطل ہوتی ہے۔ یہ اصول ابن جوزی نے بیان کیا ہے اور یہ روایت قطعاً عقل کے خلاف ہے، ہم جیسے بدعقل انسان کی عقل اسے قبول نہیں کرتی۔ عقل کا تو کیا مسئلہ ہے۔ ہم نے آج تک تو جتنے عقلاء کو دیکھا ... وہ یا تو اس کا انکار کرتے نظر آئے یا شک وشبہ کرتے نظر آئے۔

تیسری دلیل

جزیرۃالعرب اور دیگر گرم ممالک میں آج تک اس کی کوئی دوسری مثال دستیاب نہیں ہوئی۔ اگر ایسا ممکن ہوتا اور اس قسم کے واقعات گاہ بگاہ رونما ہوتے رہتے تو آج تک اس کی ہزارہا مثالیں تاریخ میں موجود ہوتیں بلکہ موجودہ دور میں نہ صرف اخبارات کی زینت بنتی بلکہ دنیا کے اس گوشے سے اس گوشے تک ہر ملک کے ٹیلیویژن اس کی تبلیغ میں مصروف ہوجاتے اور ہر ترقی یافتہ ملک اپنے اپنے سائنس دانوں اور ڈاکٹروں کی ایک جماعت اس کام پر لگادیتا اور سالہا سال اس کی تحقیقات ہوتی رہتی۔ حالانکہ اس قسم کا کوئی واقعہ آج تک دنیا کے سامنے

نہیں آیا۔ بلکہ ہمارے ہاں کے اخبارات میں اس قسم کے حادثات ضرور سامنے آتے رہے کہ کسی جنونی نے نو دس سالہ لڑکی کے ساتھ منہ کالا کیا۔ اور اس لڑکی کی موت واقع ہوگئی اور اس قسم کی حرکت کرنے والے شخص کو لوگوں نے جنونی کے نام سے نوازا اور آج تک ہمارے علماء اور محبان رسولؐ میں سے کسی کو اتنی جرأت نہیں ہوئی بلکہ اتنی توفیق نصیب نہیں ہوئی کہ اس سنت نبویؐ پہ عمل کرتے ہوئے اپنی نو سالہ لڑکی کو رخصت فرماتے اور احیائے سنت کا سہرا اپنے سر باندھتے۔ ہم تو کند ذہن ایک گناہگار انسان ہیں، ہمارے علماء اس کی عملی مثال ہمارے سامنے پیش فرمائیں تاکہ ہم جیسے کند ذہن آپ حضرات کی تقلید کر سکیں۔ یہ کہہ کر لوگوں سے بات نہیں منوائی جاسکتی کہ ہم تاریخ کو نہیں مانتے۔ آپ حضرات شاید یقین نہ فرمائیں کہ آج سے کچھ عرصہ پہلے تک ہمارے علماء اس بات پر مصر تھے کہ سورج اور چاند زمین کے گرد گھومتے ہیں۔ لیکن جب ان کے سامنے سائنسی تحقیقات پیش کی جاتیں تو ارشاد ہوتا کہ ہم سائنس کو نہیں مانتے۔ عوام کی زبان میں اسے یوں کہا جاتا ہے "میں تو نہ مانوں" چنانچہ اس معاملہ میں بھی عام طور پر یہی رویہ اختیار کیا گیا ہے۔

جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے ایک جانب تو دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ہم تاریخ کو نہیں مانتے اور دوسرے ہی لمحہ حال یہ ہوتا ہے کہ تاریخ کی جھوٹی کہانیوں کے بل بوتے پر منبر سے یزید پلید کے نعرے لگنے شروع ہوجاتے ہیں۔ اور کربلائی داستانیں ہمارا ملا جس طرح دہراتا ہے، اتنی توفیق تو بے چارے مورخین کو بھی نہیں ہوئی تھی۔ اسی لئے ہم تاریخ پر بعد میں گفتگو کریں گے پہلے ہم حدیث، اصول حدیث، رجال اور علل وغیرہ کی باتیں کرلیں۔ کیونکہ ان فنون کو ہمارے علماء تسلیم کرتے ہیں۔ ہم تو اس جانب ان کی توجہ منعطف کرنا چاہتے ہیں۔

چوتھی دلیل

ہم نے ہشام کی روایت کا بغور مطالعہ کیا۔ اس کے لئے بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی ابن ماجہ، دارمی اور مسند حمیدی کی سندات جمع کیں تو انہیں جمع کرنے کے بعد ایک نئے عقدے کا انکشاف ہوا۔ کچھ راوی تو اسے ام المومنین حضرت عائشہؓ کا قول بیان کر رہے ہیں اور کچھ نے اسے عروہ کا قول بیان کیا ہے۔ بہرصورت یہ حدیث رسول تو ہرگز نہیں یا یہ قول عائشہؓ ہے یا یہ قول عروہ ہے جو تابعی ہے اور ام المومنین عائشہؓ کا بھانجہ ہے۔ اگر یہ عروہ کا قول ہے تو

اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جب کسی روایت کے متصل اور موقوف ہونے میں راویوں کا اختلاف ہوتا ہے تو عام طور پر محدثین اسے موقوف قرار دیتے ہیں اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ عروہ کا ایک تاریخی قول ہوا۔ جس کی حیثیت صرف ایک قول کی ہو سکتی ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں اور عروہ کے قول کو رد کرنا کوئی گناہ نہیں۔ ہمارے علماء اولاً اس کا متصل ہونا ثابت کریں تاکہ ہم غور کر سکیں ابھی تو ہم اسے قابل غور بھی نہیں سمجھتے۔

پانچویں دلیل

عروہ سے یہ روایت نقل کرنے والا ان کا بیٹا ہشام ہے۔ ہمارے نزدیک اس روایت میں تمام گڑبڑ اسی ہشام کے باعث پیدا ہوئی ہے۔ علماء تو صرف یہ دیکھتے ہیں کہ یہ بخاری و مسلم کا راوی ہے لہذا معصوم عن الخطاء ہے۔ لیکن ہم نے اپنی زندگی کے متعدد سال رجال کی چھان بین میں صرف کیے ہیں اور اس نتیجے میں ہم اس منزل پر پہنچے ہیں کہ ہشام کی زندگی کے دو دور ہیں۔ ایک مدنی دور اور ایک عراقی دور۔

مدنی دور ۱۳۱ھ تک قائم رہا۔ اس دور میں ان کے سب سے اہم شاگرد امام مالک ہیں۔ انہوں نے اپنی موطا میں متعدد روایات لی ہیں لیکن یہ نکاح والی روایت امام مالک کی کتاب میں دستیاب نہیں ہوتی۔

امام ابو حنیفہ بھی اسی دور کے شاگرد ہیں لیکن امام ابو حنیفہ نے بھی اس روایت کو کہیں نقل نہیں کیا۔

ہشام کا دوسرا دور ۱۳۱ھ سے شروع ہوتا ہے۔ ۱۳۱ھ تک ہشام، سب کے نزدیک بلاشبہ ثقہ تھے اور حضرت عائشہؓ کی احادیث کا ایک مرکزی کردار تھے۔ لیکن جب انہوں نے ۱۳۱ھ میں اپنی بیٹی کی شادی پر ایک لاکھ اس امید پر قرض لے کر خرچ کر ڈالے کہ خلیفہ وقت سے مدد لے لوں گا اور قرض اتار دوں گا۔ لیکن ہوا یہ کہ بنو امیہ کی حکومت تبدیل ہو گئی اور بنو عباس برسر اقتدار آگئے۔ یہ امیدوں کا محل بھائے بغداد پہنچے اور خلیفہ منصور کے سامنے دست سوال دراز کیا۔ اس نے اولاً تو ملامت شروع کی کہ تم کو کس احمق نے یہ مشورہ دیا تھا۔ لیکن یہ بھی پیچھے بن کر منصور جیسے کنجوس مکھی چوس کو چمٹ گئے۔ اور اس نے انہیں مجبور ہو کر دس

بیزار تھما دیا۔ یہ ان کا بھلاوا مائی جوشتا تھا۔ جس کے نتیجے میں انہوں نے روایات میں بہکنا شروع کردیا۔ وہ روایات جو اپنے والد سے نہیں سنی تھیں وہ بھی اپنے والد عروہ کی جانب سے منسوب کردیں۔

لیکن اس امید پر کہ کچھ دن بعد خلیفہ وقت سے کچھ اور وصول کر لوں کا مدینہ چلے گئے۔ کچھ روز قیام کے بعد کچھ نئی امیدوں کے سہارے پھر عازم بغداد ہوئے اور اب کی بار تھوڑا بہت مال وصول کر ڈالا اور پھر مدینہ پہنچ گئے۔ غالباً قرض خواہوں کا منہ بند کرنے کے لئے لیکن کچھ عرصہ بعد پھر وارد بغداد ہوئے اور پھر ہمیشہ کے لئے یہیں مقیم ہوگئے۔ اور یہیں بغداد میں ۱۴۶ھ میں انتقال فرمایا۔ ان کی مرویات میں جتنی گڑبڑ پیدا ہوئیں وہ سب سرزمین عراق میں ہوئیں۔ عراق پہنچنے کے بعد ان کے حافظے میں تغیر پیدا ہوگیا تھا۔

یعقوب بن ابی شیبہ کا بیان ہے کہ ان کی کسی روایت کا انکار نہیں کیا گیا تھا۔ مگر جب یہ عراق گئے تو انہوں نے اپنے والد عروہ کے واسطے سے بہت سی ایسی روایات بیان کیں جنھیں اہل مدینہ نے برا تصور کیا۔ مدینہ میں رہتے ہوئے ہشام صرف وہی احادیث بیان کرتے جو انھوں نے اپنے والد سے سنی تھیں۔ لیکن عراق پہنچنے کے بعد اپنے باپ سے منسوب کر کے وہ روایات بھی مرسلاً بیان کرنا شروع کردیں جو انہوں نے اوروں سے سنی تھیں۔ اپنے والد سے نہیں سنی تھیں۔ لہٰذا ہشام کی وہ روایات جو اہل عراق ان سے نقل کریں ان کا کوئی بھروسہ نہیں۔ (تہذیب التہذیب ص ۴۸ ج ۱۱)

اللہ تعالیٰ ابن حجر کو غریق رحمت کرے انہوں نے یعقوب بن ابی شیبہ کے حوالے سے کتنی عمدہ بات فرمائی ہے۔ انہوں نے تمام مسئلہ ہی حل فرمادیا ہے۔ کہ ہشام کی وہ روایات ناقابل اعتبار ہیں جو ان سے اہل عراق نقل کریں۔ حضرت عائشہؓ کی رخصتی نو سالہ اور نکاح چھ سالہ ہشام سے اہل عراق نے نقل کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو والی کہانی ہشام سے اہل عراق نے نقل کی ہے۔ حضرت عائشہؓ کی گڑیاں کھیلنے کی کہانیاں ہشام سے اہل عراق نے نقل کی ہیں۔ قربان جائیے یعقوب بن ابی شیبہ اور حافظ ابن حجر کے کہ انہوں نے یہ بات کہہ کر کہ "ہشام سے جو روایات اہل عراق نقل کریں ان کا کوئی بھروسہ نہیں۔" انہوں نے ہمارے لئے سوچ کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ انہوں نے اپنے اس اصول سے بخاری و مسلم کو خارج نہیں کیا۔ لہٰذا ہم بخاری و مسلم سے اب وہ احادیث تلاش کریں گے۔ جنھیں اہل عراق نے ہشام سے نقل کیا ہو۔ اگر ہم ان سب کو ناقابل قبول قرار دیں تو بعد میں ہمارے علماء ناراض

نہ ہوں ۔ ہمیں یہ اصول اسلاف ہی نے دیا ہے ۔ ہم تو ان حضرات کے لئے دعاگو ہیں کہ ان حضرات نے یہ اصول پیش کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو عراقیوں کے ناجائز حملے سے محفوظ فرمادیا۔

حافظ ذہبی ہشام کے حالات لکھتے ہیں کہ آخری عمر میں ان کے حافظہ میں تغیر پیدا ہوگیا تھا ۔ اور ابوالحسن بن القطان کا دعویٰ ہے کہ آخری عمر میں احادیث اور ان کی سندات میں گڑبڑ کرنے لگے تھے ۔ بلکہ حافظ عقیلی نے تو یہاں تک تحریر کیا ہے **قد خرف اخر عمرہ** (اپنی آخری عمر میں سٹھیا گئے تھے)۔

ذہبی میزان میں تحریر فرماتے ہیں کہ جوانی میں ان کا حافظہ جیسا عمدہ تھا بڑھاپے میں باقی نہ رہا ۔ اور عراق میں تو انہوں نے لوگوں کے سامنے بہت سی ایسی احادیث پیش کیں جنھیں یہ صحیح طور پر بیان نہ کر سکے ۔ میزان الاعتدال ، ج ۴ ترجمہ ہشام

امام مالک جو ہشام کے شاگردوں میں داخل ہیں اور جنہوں نے موطاء میں ہشام کی متعدد روایات نقل کیں ۔ ان کا ایک دور تو وہ تھا کہ وہ ہر معاملہ میں ہشام کے قول کو حرف آخر تصور کرتے تھے ۔ لیکن عراق پہنچنے کے بعد ہشام نے کارہائے نمایاں انجام دئے تو امام مالک بھی ان سے خوش نہ رہے ۔ حتیٰ کہ عبدالرحمان بن خراش کا بیان ہے ۔

وکان مالک لا یرضاہ ونقم علیہ حدیثہ لاھل العراق

(امام مالک اسے پسند نہ کرتے ۔ انہوں نے ان پر اہل عراق کی احادیث کے باعث اعتراض کئے ہیں ۔)

اور ابن حجر نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ عراقی روایات کے باعث تمام اہل مدینہ نے ان پر اعتراضات شروع کردئے ۔

ابن ہشام کے ذہن پر یہ نو سال کچھ اس طرح بھوت بن کر سوار ہوتے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو بھی نو سالہ بنا ڈالا ۔ ذہبی نے واقعہ کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ فاطمہ بنت المنذر اپنے خاوند ہشام سے بڑی تھیں اور حافظ ذہبی نے ہشام کے ان ارشاد عالی پر تبصرہ کرتے ہوتے فرمایا ہے کہ فاطمہ ہشام سے عمر میں تیرہ سال بڑی تھیں یعنی جب نو سال کی عمر میں وہ ہشام کے گھر رخصت ہو کر آئیں تو جناب ہشام کو ابھی تولد ہونے میں چار سال باقی تھے اور جناب ہشام نے اس وقت سے اپنی بیوی کا پلو بھی کسی کو دیکھنے نہیں دیا ۔ ہم نے آج تک اس سے بڑی کرامت کوئی نہیں دیکھی ۔ بزرگوں کی ہر بات نرالی ہوتی ہے ۔ اس کو سمجھنا ہر ایک

کے بس کا کام نہیں - ذہبی نے بے ادبی سے کام لیتے ہوئے آگے یہ بھی بیان کر دیا کہ فاطمہ کی جب رخصتی عمل میں آئی تو اس کی عمر اٹھائیس انتیس سال تھی - یعنی ہشام نے صرف اتنی کرامت دکھائی کہ انتیس میں سے "دو دہائی" گرا کر نو کر دیا - اسی طرح ام المومنینؓ کے معاملے میں انیس کی دہائی گرا کر نو بنا دیا گیا - لہذا اب ہمارا اس پر پختہ یقین ہو گیا کہ ام المومنینؓ نو سال کی عمر میں اسی طرح رخصت ہو کر آئیں جس طرح فاطمہ بنت المنذر نو سال کی عمر میں رخصت ہو آئی تھیں -

حتیٰ کہ بقول حافظ ابن حجر یہ عقد ہشام نے خود ایک بار اپنی زبان سے ظاہر فرمایا تھا کہ میری بیوی مجھ سے تیرہ سال بڑی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنی دادی حضرت اسماء سے احادیث سنی ہیں..... ہم کیا کہہ سکتے ہیں آخر یہ بخاری و مسلم کے راوی ہیں - ہاں ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ عراق کی آب و ہوا نے اچھوں اچھوں کا دماغ خراب کر دیا -

چھٹی دلیل

ہمیں حیرت اس پر ہے کہ عمر عائشہؓ کی کہانی ہشام سے نقل کرنے والے تمام راوی کوفی ہیں یا بصری ہیں - اس روایت کو نہ کوئی مدنی نقل کرتا ہے نہ مکی، نہ شامی اور نہ مصری، بلکہ عراق کے علاوہ تمام ممالک اسلامیہ میں سے ایک بھی راوی اسے نقل نہیں کرتا - کیونکہ ہشام سے یہ کہانی نقل کرنے والے حسب ذیل افراد ہیں -

۱ سفیان بن سعید الثوری الکوفی
۲ سفیان بن عیینہ الکوفی
۳ علی بن مسہر الکوفی
۴ ابو معاویہ الغرید الکوفی
۵ وکیع بن الجراح الکوفی
۶ یونس بن بکیر الکوفی
۷ ابو سلمۃ الکوفی
۸ حماد بن زید الکوفی
۹ عبدۃ بن سلیمان الکوفی - یہ نو افراد تو سرزمین کوفہ سے تعلق رکھتے ہیں

اہل بصرہ میں سے :-

۱ حماد بن سلمۃ البصری
۲ جعفر بن سلیمان البصری
۳ حماد بن سعید بصری
۴ وہب بن خالد بصری

یہ ہیں وہ حضرات جو ہشام سے اس کہانی کو نقل کر رہے ہیں اور ہشام جب ۱۳۲ھ میں

عراق پہنچے تو ان کی عمر اکہتر سال تھی۔ اور اکہتر سال کی عمر تک مدینہ میں ان کو کوئی ایسا شخص نہ ملا جو ان سے یہ داستان نقل کرتا۔

ایسی صورت میں یہ روایت دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو کوفیوں نے اسے وضع کر کے ہشام کی جانب منسوب کیا ہے یا واقعتاً ہشام پر عراق کی آب و ہوا نے اتنا گہرا اثر ڈالا کہ انھیں اپنے آپ کی بھی خبر نہ رہی کہ اپنی بیوی فاطمہ بنت المنذر کو نو سال کی عمر میں اپنی پیدائش سے چار سال قبل رخصت کر کے لے آئے۔ یہ ایک ایسا تاریخی کارنامہ ہے جسے آج تک روئے زمین کا کوئی اور شخص انجام نہ دے سکا تھا۔ عراق پہنچنے کے بعد جب عقل و شعور کا یہ عالم ہو گیا تو قارئین خود ہی اندازہ فرما سکتے ہیں کہ نو سال کی عمر میں رخصت کی کیا حیثیت ہے۔

ہم خود ہشام کے بہت مداح ہیں۔ اور ہمیں ہشام کا ایک قول آج تک حفظ ہے جو انھوں نے اپنی مدنی زندگی میں فرمایا تھا۔ ہم نے آج تک اسے اپنی گرہ سے باندھ رکھا ہے۔ قارئین آپ بھی یاد فرما لیں۔ کیونکہ مثل مشہور ہے کہ داشتہ آید بکار۔ ان کا قول زندگی میں بہت کام دے گا۔۔۔۔۔

انھوں نے فرمایا تھا۔

اذا حدثك العراقي بالف حديث فالق تسعمائة و تسعين وكن من الباقي في شك

جب تم سے کوئی عراقی ایک ہزار احادیث بیان کرے تو نو سو نوے تو زمین پر پھینک مارو اور باقی دس میں بھی شک کرتے رہو۔

اگر ہم ان کے اس قول کو پیش نظر رکھیں تو بہت سے مسائل خود بخود حل ہوتے چلے جائیں گے۔ اور ان کے ساتھ ساتھ محدثین کا ایک اصول بھی پیش نظر رکھئے جو بیہقی نے عبد الرحمن بن مہدی سے نقل کیا ہے۔

اذا روينا في الحلال والحرام والاحكام شددنا في الاسانيد وانتقدنا الرجال واذا روينا في الفضائل والثواب والعقاب سهلنا في الاسانيد وتسامحنا في الرجال.

(فتح المغیث صفحہ نمبر ۱۲۰)

جب ہم حلال و حرام اور احکام کی احادیث روایت کرتے ہیں تو سندات کے معاملہ میں شدت اختیار کرتے اور رجال پر تنقید کرتے ہیں۔ لیکن جب ہم فضائل اور ثواب و عذاب کی روایات

بیان کرتے ہیں تو اس میں نرمی اختیار کرتے اور رجال کی طرف چشم پوشی اختیار کر لیتے ہیں۔

عبدالرحمن بن مہدی، بخاری و مسلم کے استاد ہیں فن رجال کے ایک اہم ستون ہیں۔ وہ تمام محدثین کی جانب سے اس امر کا اعلان کر رہے ہیں کہ ہم سندات پر جو غور کرتے اور ان پر جرح و تعدیل کرتے ہیں وہ صرف ان احادیث میں کرتے ہیں جن کا تعلق حلال و حرام اور احکام سے ہوتا ہے۔ اور جن روایات کا تعلق ان امور سے نہیں ہوتا وہاں ہم راویوں کے معاملے میں نرم روش اختیار کرتے اور چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً فضائل سے متعلق روایات خواہ ان فضائل کا تعلق کسی شخص کی ذات سے ہو یا اعمال سے۔ کسی بدعملی پر عذاب کی روایت ہو یا کوئی تاریخی واقعہ ہو تو اس قسم کے معاملات میں محدثین چھان بین نہیں کرتے غالباً یہی وجہ ہوگی کہ محدثین نے حضرت عائشہؓ کی نو سالہ عمر والی روایت پر کوئی بحث کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ اور ممکن ہے کہ امام بخاری نے اسی اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس قسم کی روایات میں نرم روش اختیار کی ہو جو آج فتنہ کا باعث بن گئی۔

ہم مذہبی داستانیں حصہ دوم کے مقدمہ میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ صحیح بخاری کے چار نسخوں میں سے فربری کے نسخہ میں تین سو روایات زیادہ ہیں۔ اگر آج وہ تین نسخے موجود ہوتے تو ہم ان میں اس روایت کو دیکھ لیتے کیونکہ ہمارا گمان یہ ہے کہ یہ روایت یقیناً فربری کے نسخہ میں زیادہ ہے۔

اصول حدیث کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی راوی کا آخر عمر میں حافظہ خراب ہو جائے تو اس کی وہ روایات قبول نہیں کی جاتیں جو اس کے شاگردوں نے نقل کی ہوں جنھوں نے خرابی حافظہ کے بعد روایات سنی ہوں۔ حافظ ابن حجر کا دعویٰ یہ ہے کہ بخاری نے اپنی کتاب میں کسی ایسے راوی کی روایت نہیں لی۔ لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ عراق آنے کے بعد ہشام کا حافظہ جواب دے گیا تھا۔ اہل عراق نے ان سے جو روایات نقل کی ہیں وہ خرابی حافظہ کے بعد نقل کی ہیں۔ امام بخاری کیلئے ہرگز یہ مناسب نہ تھا کہ وہ ہشام کی وہ روایات نقل کرتے جو ان سے اہل عراق نقل کر رہے ہیں۔ اصول اپنی جگہ ہے، یہ دوسری بات ہے کہ کسی فرد واحد یا طبقہ نے **امنت بالبخاری** کا کلمہ پڑھا ہو۔ ہاں ہم سے کوئی اس کا مطالبہ کرے کہ ہشام کے علاوہ کوئی اور مثال پیش کرو تو ہمارے پاس اور بھی مثالیں موجود ہیں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم بخاری کے مخالف ہیں۔ حاشا و کلا ہم اصولی گفتگو کر رہے ہیں۔ قانون شخصیتوں سے تبدیل نہیں ہوتا۔

ساتویں دلیل

یہ تو روایت ہشام پر بحث تھی ۔ اب آیئے بخاری کی ایک اور حدیث کی جانب جو امام بخاری نے کتاب التفسیر میں ان الفاظ میں نقل کی ہے ۔ ام المومنینؓ ارشاد فرماتی ہیں کہ جب مکہ میں یہ آیت نازل ہوئی ۔

بل الساعتہ موعدھم والساعتہ ادھی وامر (القمر)

تو میں اس وقت لڑکی تھی اور کھیلتی پھرا کرتی تھی ۔

یہ سورت القمر کی آیت ہے ۔ اور یہ سورۃ قمر شق القمر کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے ۔ شق قمر کا واقعہ ہجرت سے پانچ سال قبل کا ہے ۔ مفسرین کا بیان ہے کہ یہ سورت سن ۴ نبوی میں نازل ہوئی اور اس وقت ام المومنین عائشہؓ ایک لڑکی تھیں اور کھیلتی پھرتی تھیں ۔

ہمارے نزدیک یہ روایت ہشام کی روایت کے قطعاً مخالف ہے ۔ اس لئے کہ ہشام کی روایت کی رو سے یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ ام المومنینؓ سن ۵ نبوی میں پیدا ہوئیں ۔ ہمارے تمام علماء اسی کے قائل ہیں لیکن بخاری کی روایت یہ ثابت کر رہی ہے کہ ام المومنینؓ نے اپنی پیدائش سے قبل ہی یہ آیت یاد کر لی تھی اور اپنی پیدائش سے قبل ہی وہ مکہ میں کھیلتی پھرا کرتی تھیں..... **فیا للعجب**

اس منزل پر پہونچ کر ہر شخص دو فیصلوں میں سے ایک فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گا ۔

۱ روایت ہشام درست ہے ۔ اور یہ روایت ناقابل قبول ہے ۔

۲ یہ روایت صحیح ہے اور روایت ہشام غلط ہے ۔

علماء نے پہلا فیصلہ قبول کیا اور ہم نے دوسری شق کو اختیار کیا ہے ۔ اگر ہم منکر حدیث ہیں تو ماشاء اللہ ہم سب ہی ایک منزل کے راہی ہیں اگر ہم بخاری کی حدیث سے منکر ہیں تو ماشاء اللہ ہمارے علماء ہم سے ہرگز پیچھے نہیں ہیں ۔ بلکہ یہ انداز فکر ہم نے انہی سے حاصل کیا ہے ۔

یہ روایت یہ ثابت کر رہی ہے کہ ام المومنینؓ سن ۴ نبوی میں اتنی عمر کی ضرور تھیں کہ لڑکیوں کے ساتھ کھیلتی پھرتی تھیں ۔ اور اتنا حافظہ رکھتی تھیں کہ ان کو یہ معلوم تھا کہ یہ قرآن کی آیت ہے اور اس وقت سے ان کے ذہن میں محفوظ بھی تھی ۔ اگر ہم سن ۴ نبوی میں ان کی

عمر چھ سال بھی تسلیم کر لیں تو یہ خود بخود ثابت ہو جائے گا کہ ام المومنینؓ بعثت رسولؐ سے کم از کم دو سال قبل پیدا ہوئیں - اور اس حساب سے ان کی عمر سترہ سال بنتی ہے - لہذا فیصلہ کی صورت یہی ہے کہ ایک روایت کو قبول کرو اور دوسری کا انکار کرو - اور ہمارا جرم صرف اتنا ہے کہ ہم نے کتاب التفسیر کی روایت کو قبول کیا ہے - ہم ہرگز صحیح بخاری سے باہر نہیں گئے..... وہ بے وقوف لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم حدیث کا انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ خود انکار حدیث کا شکار ہیں -

آٹھویں دلیل

صحیح بخاری میں ہجرت کے سلسلہ میں ایک روایت ام المومنینؓ سے مروی ہے جو ان سے عروہ نقل کر رہے ہیں - اور عروہ سے زہری ناقل ہیں - فرق صرف یہ ہے کہ اس روایت کو کسی عراقی نے نقل نہیں کیا - بلکہ اسے نقل کرنے والے راویوں میں دو مصری، ایک شامی اور دو مدنی ہیں -

ام المومنینؓ فرماتی ہیں کہ "جب سے مجھے عقل آئی تو میں نے والدین کو دین اسلام پر پایا اور کوئی دن ایسا نہ تھا کہ جب رسول اللہ صلی علیہ وسلم صبح و شام ہمارے یہاں تشریف نہ لاتے ہوں - "

پھر جب مسلمانوں کو ستایا جانے لگا تو ابو بکر ہجرت کا ارادہ کر کے حبشہ کی جانب چل دئے - حتیٰ کہ جب مقام برک الغماد پہنچے تو قبیلہ قارہ کا سردار ابن الدغنہ راہ میں ملا - اس نے سوال کیا، "اے ابو بکر کدھر کے ارادے ہیں "؟ ابو بکرؓ نے جواب دیا - "میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے "، ابن الدغنہ نے جواب دیا " تم جیسا آدمی نہ نکلتا ہے اور نہ نکالا جا سکتا ہے - تم ناداروں کی مدد کرتے، صلہ رحمی کرتے، بیکسوں کی کفالت کرتے، مہمانوں کی ضیافت کرتے اور دوسروں کے لئے حق کی راہ میں مصیبتیں اٹھاتے ہو - میں تمھیں اپنی حمایت اور پناہ میں لیتا ہوں، واپس چلو اور اپنے شہر میں رہ کر اپنے رب کی عبادت کرو - "

پس ابو بکر لوٹ آئے اور ابن الدغنہ بھی ساتھ آیا - ابن الدغنہ شام کے وقت اشراف قریش کے پاس گیا - اور کہا " ابو بکر جیسا آدمی نہ خود مجبور ہو کر نکلتا ہے اور نہ اس جیسی ہستی کو نکالا جا سکتا ہے - کیا تم ایسے شخص کو نکال رہے ہو جو نادار کی مدد کرتا، رشتہ داروں کے ساتھ

سلوک کرتا۔ گرے ہوؤں کو اٹھاتا۔ مہمان نوازی کرتا اور حق کی ضرورت میں اعانت کرتا ہے۔ قریش نے ابن الدغنہ کی اس امان کو رد نہیں کیا۔ لیکن انھوں نے ابن الدغنہ سے کہا جاؤ ابو بکر سے کہو کہ "اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں کرے اور اپنے گھر میں نماز پڑھے اور جو چاہے اپنے گھر میں پڑھے لیکن ہمیں تکلیف نہ دے اور اپنی نماز کا اعلان نہ کرے اور اپنے گھر کے علاوہ کہیں اور قرات نہ کرے۔"

یہ سوچتے ہوئے ابو بکر کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنا ڈالیں۔ لہذا انھوں نے صحن خانہ میں مسجد بنا ڈالی اور اس میں نماز اور قرآن پڑھنے لگے، مشرکین کے بچے اور عورتیں اس پر حیرت کا اظہار کرتیں اور اس عمل کو غور سے دیکھتیں اور ابو بکرؓ ایسے شخص تھے کہ قرآن پڑھتے تو ان کے آنسو بہنے لگتے۔

اشراف قریش اس صورت حال سے گھبرا اٹھے، انھوں نے ابن الدغنہ کو بلا بھیجا۔ وہ ان کے پاس آیا تو انھوں نے شکایت کی کہ ہم نے تیری امان کے باعث ابو بکرؓ کو پابند کیا تھا کہ وہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرے۔ لیکن اس نے عہد سے تجاوز کرتے ہوئے گھر کے صحن میں مسجد بنا ڈالی اور نماز میں بلند آواز سے قرآت کرنے لگا۔ ہمیں ڈر ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے اس فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں لہذا اسے اس کام سے روکو، اگر ابو بکرؓ کو یہ پسند ہے کہ وہ اپنے گھر میں عبادت کرتا رہے تو ٹھیک ہے اگر وہ اعلانیہ یہ کام کرتا ہے تو تیری امان واپس کردے، ہمیں یہ اچھا نہیں لگتا کہ تیری امان توڑیں لیکن ہم ابو بکرؓ کو اعلانیہ قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

ام المومنینؓ فرماتی ہیں کہ ابن الدغنہ ابو بکرؓ کے پاس آیا اور کہا تمہیں معلوم ہے کہ قریش نے جس چیز پر تم سے عہد کیا تھا اگر تم اس عہد تک رہتے ہو تو میرا ذمہ اور عہد باقی ہے ورنہ میری ذمہ داری واپس کردو۔ مجھے یہ بات قطعاً پسند نہیں کہ عرب یہ بات سنیں کہ میں نے جس شخص کا ذمہ لیا تھا اس سے میں نے اپنا ذمہ واپس لے لیا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا میں تیرا ذمہ واپس کرتا ہوں اور میں اللہ کی ذمہ داری پر راضی ہوں۔ (بخاری ج ۱: ص ۵۵۳)

اس حدیث میں ام المومنین حضرت عائشہؓ ابتدائے نبوت سے ہجرت حبشہ تک کی صورت حال کو ان دو جملوں میں ادا فرماتی ہیں کہ جب سے مجھے عقل آئی تو میں نے اپنے والدین کو اسلام پر پایا اور یہ دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح و شام ہمارے گھر تشریف

لائے۔

یہ اس حدیث کا ابتدائی حصہ ہے جو ام المومنینؓ نے ان جملوں میں اپنا مشاہدہ بیان فرمایا ہے کہ جب سے مجھے عقل و ہوش آیا تو میں نے یہ صورت حال دیکھی اور اپنے عقل و ہوش کا وہ دوسرا حصہ جسے ام المومنینؓ مصائب کا دور فرما رہی ہیں۔ وہ، وہ دور ہے کہ جس کے باعث سابقین اولین ہجرت حبشہ پر مجبور ہوئے۔ اور پھر اس میں اپنے والد ابو بکرؓ کی ہجرت حبشہ کی پوری کیفیت اور اس کا انجام بیان کیا ہے۔

اس حدیث کا تیسرا حصہ جو ہم نے پیش نہیں کیا ہے ہجرت مدینہ پر مشتمل ہے۔ اور جب آپؐ ابو بکرؓ کے گھر سے ہجرت فرما کر باہر نکل آئے تو ام المومنینؓ کا انداز بیان قطعاً تبدیل ہو گیا۔ کسی حصے کے سلسلے میں فرماتی ہیں کہ یہ حصہ مجھ سے عامر بن فہیرہ نے بیان کیا جو ابو بکرؓ کے غلام ہیں اور ہجرت میں شریک کار ہیں۔ سراقہؓ کے واقعے کا ذکر آیا تو فرماتی ہیں مجھ سے سراقہؓ نے بیان کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بعثت نبوی سے ہجرت مدینہ تک کی جو کیفیت اس حدیث میں بیان ہوئی ہے وہ ام المومنینؓ اپنا مشاہدہ بیان کر رہی ہیں۔ یعنی جس وقت سے ام المومنینؓ کو عقل آئی تو اس وقت سے ابو بکرؓ اور ام رومانؓ صاحب اسلام تھے اور جب سے ہوش سنبھالا تھا تب سے یہ دیکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزآنہ صبح و شام ان کے گھر تشریف لاتے وغیرہ وغیرہ۔

اس حدیث میں برملا یہ دعویٰ فرما رہی ہیں کہ بعثت نبویؐ کے وقت میں صاحب عقل و ہوش تھی اور یہ جو کچھ پیش آتا رہا میری نظروں کے سامنے ہوتا رہا۔ لیکن ہمارے علماء یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ ہشام کی روایت سے ثابت ہے کہ رخصتی کے وقت آپ کی عمر نو سال تھی۔ لہذا یہ واقعات ام المومنینؓ نے کسی سے سن لئے ہوں گے۔ مرزا غالب نے کیا خوب کہا تھا ع

بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

ام المومنینؓ فرماتی ہیں کہ جب سے مجھے عقل آئی میں نے یہ صورت حال دیکھی۔ ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ اس وقت تک وہ پیدا ابھی نہیں ہوئی تھیں۔ تو مختصر بات یہ ہے کہ ام المومنینؓ کی کرامت ہے کہ انہوں نے اپنی تخلیق سے پانچ چھ سال قبل کے حالات مشاہدہ کر لئے امام بخاریؒ اس پر ایمان بھی لے آئے بلکہ اسے پیش کر دیا پھر بھی لوگ کہتے ہیں ہم بخاری کی روایات کا انکار کرتے ہیں۔ آپ ہی حضرات فیصلہ فرمائیں کہ بخاری کی روایت کا انکار کون کر رہا ہے؟ یہ فیصلہ ہم اپنے قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

اس تمام گفتگو سے یہ امر ثابت ہوا کہ بعثت نبویؐ کے وقت ام المومنین حضرت عائشہؓ ایک صاحب عقل اور باہوش بچی تھیں یعنی کم از کم پانچ چھ سال کی، یعنی اتنی عمر کی بچی کہ یاد رکھ سکیں ہمارے گھر کون آجارہا ہے اور والدین اہل مکہ کے برعکس کیا کر رہے ہیں اور یہ بچے کا وہ دور ہوتا ہے جس میں بچہ کو ہر بات کو سمجھنے اور کرید لگانے کی تمنا پیدا ہوتی ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے ۔ اور ویسا کیوں ہوتا ہے ۔ اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ ام المومنینؓ بعثت کے وقت پانچ چھ سال کی ضرور تھیں ۔ لہٰذا اس حساب سے رخصتی کے وقت ان کی عمر انیس بیس بنتی ہے اور ام المومنینؓ اور حضرت فاطمہؓ ہم عمر ثابت ہوتی ہیں ۔ لہٰذا اب یہ علماء پر موقوف ہے کہ خواہ ہشام کی روایت کو تسلیم کرتے ہوئے بخاری کی ان دو حدیثوں کو تاویل نامی خراد کی مشین پر چڑھائیں یا انھیں قبول کرتے ہوئے ہشام کی غلطی کو تسلیم کریں ۔

نویں دلیل

حضرت عائشہ صدیقہ رضی عنہا کا بیان ہے کہ اسامہ دروازے کی چوکھٹ پر سے پھسل گئے اور ان کے چہرے پر زخم آگیا ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اسامہ سے گندگی دور کر دو ۔ مجھے گھن آئی اسامہ تو خون کو چاٹنے لگے اور اسے اپنے چہرے سے ہٹانے لگے ۔

یہ ابن سعد کی روایت ہے لیکن اسی قسم کی ایک روایت ابن ماجہ میں ان الفاظ میں مذکور ہے کہ اسامہ کی ناک بہنے لگی ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں اٹھ کر اسامہ کی ناک صاف کروں مجھے گھن آئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اٹھ کر ناک صاف کی ۔

ترمذی کی ایک روایت میں یہ مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کی ناک صاف کرنے کا ارادہ کیا تو ام المومنینؓ نے عرض کیا مجھے اجازت دیجیے کہ میں ناک صاف کیے دیتی ہوں ۔ آپ نے فرمایا اے عائشہؓ تو اسامہ سے محبت رکھ، کیونکہ میں بھی اسامہ سے محبت رکھتا ہوں ۔ (ترمذی، ج۲: ص ۲۴۶)

نیز بیہقی نے شعبی کے واسطے سے ام المومنینؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اٹھو اور اٹھ کر اسامہ کا منہ دھو دو ۔ میں نے عرض کیا میرے کوئی

بچہ نہیں ہوا۔ لہذا میں نہیں جانتی کہ بچوں کے منہ کیسے دھوئے جاتے ہیں ۔ آپ اسے پکڑ کر خود اس کا منہ دھو دیں ۔ آپؐ نے اسامہ کو پکڑ کر خود اس کا منہ دھویا ۔ اور فرمایا تو نے ہمارے لئے سہولت پیدا کر دی کہ تو لڑکی نہ ہوا اگر تو لڑکی ہوتا تو میں تجھے زیور سے سجاتا اور تجھ پر خوب مال خرچ کرتا ۔

امام احمد نے بہی کے ذریعے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ اسامہ دروازے کی چوکھٹ سے گر پڑے ۔ ان کے چہرے پر چوٹ آئی ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مل مل کر صاف کر رہے تھے اور فرمارہے تھے ۔ اے اسامہ اگر تو لڑکی ہوتا تو میں تجھے کپڑے اور زیور پہناتا اور تجھ پر خوب مال خرچ کرتا ۔

ان روایات پر پھر نظر ڈالئے اور غور کیجئے تو آپ کو صاف محسوس ہو گا کہ حضرت اسامہ بن زید ام المومنینؓ کے سامنے ایک بچہ ہیں جن کے کبھی چوٹ لگتی ہے ۔ اور کبھی ناک بہنے لگتی ہے کبھی ام المومنینؓ اٹھ کر صاف کرتی ہیں اور کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کام انجام دیتے ہیں ۔ کبھی ام المومنینؓ کو گھن آتی ہے اور کبھی ام المومنینؓ یہ کہہ کر عذر کرتی ہیں کہ میرے کوئی بچہ تو نہیں ہوا جو مجھے بچوں کے منہ دھلانے کا تجربہ ہو ۔

اول تو یہ بات کہ میرے کوئی بچہ نہیں نو دس سالہ بچی کی زبان سے نکل نہیں سکتی ۔ یہ بات ایک اچھی عمر کی وہ عورت ہی کہہ سکتی ہے جو اولاد کی تمنا کر سکتی ہو ۔

دوئم اس سے یہ امر بھی واضح ہو رہا ہے کہ حضرت اسامہ ام المومنینؓ سے کافی چھوٹے تھے ۔ اگر ام المومنینؓ انکی ہم عمر ہوتیں یا ان سے چھوٹی ہوتیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز ام المومنینؓ کو خون اور ناک صاف کرنے کا حکم نہیں دیتے ۔ کیونکہ اس قسم کا حکم ہمیشہ ایسے شخص کو دیا جاتا ہے جو اس بچہ سے ہر صورت میں بڑا ہو ۔ کبھی ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ ایک دس سالہ بچہ کی خدمت پر ایک آٹھ سالہ بچہ کو مامور کر دیا جائے اور جو ایسا کرے وہ خود دنیا کے سامنے مضحکہ بن جائے گا ۔

ہمارے علماء فرماتے ہیں جیسا کہ ہشام کی روایت میں آرہا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ام المومنین کی عمر اٹھارہ سال تھی ، لہذا یہ جاننا ضروری ہے کہ آپ کی وفات کے وقت اسامہ کی عمر کیا تھی ؟

امام ذہبی نے "سیر اعلام النبلاء" میں تحریر کیا ہے کہ اسامہ کی عمر اس وقت اٹھارہ سال تھی ۔ گویا یہ ایک تاریخی عجوبہ تھا کہ ایک لڑکی اپنے ہم عمر لڑکے کی ناک صاف کر رہی ہے ۔ اور

ولی الدین الخطیب مصنف مشکوۃ اپنی کتاب الاکمال فی اسماء الرجال میں لکھتے ہیں۔

قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو ابن عشرین۔ (مشکوۃ صفحہ ۵۸۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو اسامہ کی عمر بیس سال تھی۔

یہ بھی محدثین و مورخین کے یہاں مسلمہ امر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں جو لشکر روم کے مقابلہ کے لئے ترتیب دیا تھا۔ اور جسے آپ نے شام پر حملہ کے لئے مامور فرمایا تھا تاکہ غزوہ موتہ کا انتقام لیا جائے اس لشکر کے سپہ سالار اسامہ تھے اور حضرت عمرؓ جیسے اشخاص ان کی ماتحتی میں دیئے گئے تھے۔ اس وقت ان کی عمر بقول ولی الدین الخطیب بیس سال اور بقول حافظ ابن کثیر انیس سال تھی۔

توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعمرہ تسع عشرۃ سنۃ البدایۃ والنہایۃ ج ۸ : ص ٦٧

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو اسامہ کی عمر انیس سال تھی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بیعت کے بعد سب سے پہلا کام یہی انجام دیا تھا کہ اس لشکر اسامہ کو روانہ فرمایا جو اللہ کے فضل سے کامیاب لوٹ کر آیا تھا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت اسامہ سن ۳ نبوی میں پیدا ہوئے اور یہ واقعہ کہ گھر کی دلیز سے گر کر زخمی ہو جائیں یا ان کی ناک بہہ رہی ہو یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا چہرہ دھلائیں یا ام المومنینؓ کو حکم دینا کہ اس کا منہ دھلا دو یا چہرہ صاف کر دو وغیرہ۔ اس قسم کے تمام واقعات حضرت اسامہ کے بچپن کے ہوں گے اور ام المومنینؓ کو یہ حکم اسی وقت دیا جاسکتا ہے کہ ام المومنینؓ کی عمر اسامہ سے زیادہ ہو۔ اور جب اسامہ ام المومنینؓ سے چھوٹے ہوئے اور ان کی عمر وفات رسول کے وقت انیس بیس سال ہوئی تو ام المومنینؓ ان سے کم از کم پانچ سال بڑی ہوں گی۔ تاکہ خون اور ناک صاف کرنے کے احکامات درست ثابت ہو سکیں

دسویں دلیل

ام المومنینؓ غزوہ بدر میں شریک تھیں

امام مسلم نے اپنی صحیح میں عروۃ بن الزبیر کے واسطے سے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے

وہ فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی جانب کوچ کیا جب آپ حرۃ الغریہ پہنچے تو ایک شخص آپ کے پاس آیا جس کی جرات و بہادری مشہور تھی، صحابہ کرامؓ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ جب وہ قریب آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ میں آپ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوں اور آپ کے ساتھ میں بھی یہ تکلیف برداشت کروں۔ آپ نے فرمایا کیا تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے۔ اس نے جواب دیا نہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ واپس لوٹ جاؤ۔ میں کسی مشرک سے مدد کا طالب نہیں بنتا۔

ام المومنینؓ فرماتی ہیں وہ شخص چلا گیا۔ لیکن جب ہم شجرہ پہنچے تو وہی شخص پھر واپس آیا۔ آپ نے اس سے پھر وہی سوال فرمایا کہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے۔ اس نے جواب دیا نہیں آپؐ نے فرمایا میں کسی مشرک سے مدد طلب نہیں کرتا لہذا وہ شخص واپس چلا گیا۔

ام المومنینؓ فرماتی ہیں جب ہم مقام بیداء پر پہنچے تو وہی شخص پھر لوٹ کر آیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پھر سوال کیا کہ کیا تو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہے اس نے جواب دیا ہاں آپؐ نے فرمایا اچھا تو چلو۔ صحیح مسلم ج ۲: صفحہ ۱۱۸

. ہمارے شارحین حدیث نے اگرچہ اس حدیث کی یہ تاویلات فرمائی ہے کہ ہو سکتا ہے ام المومنینؓ کی ہم سے مراد صحابہ کرامؓ ہوں اور خود اس ہم کی ضمیر میں داخل نہ ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ام المومنینؓ بیداء تک حضورؐ کو رخصت کرنے گئی ہوں۔ لیکن سچی بات یہ ہے تاویلات پڑھنے کے بعد ہمارا ہاضمہ خراب ہو گیا۔ اور کھٹی ڈکاریں آنے لگی ہیں۔

ہم تو امام مسلم کی اس حدیث سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ غزوہ بدر میں شریک تھیں اور عورتوں میں وہ تنہا ہستی ہیں جو بدریہ ہیں اور جن مورخین اور سیرت نگاروں نے یہ تحریر کیا ہے کہ ام المومنینؓ کی رخصت شوال سن ۲ ہجری میں واقع ہوئی یا تو جنت الحمقا کے باسی ہیں یا ان کا ذہن سبائیت کے زیر اثر ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ام المومنینؓ کی رخصت شوال سن ۱ ہجری میں ہوئی۔ اور مسلم کی یہ حدیث اپنی جگہ درست ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ام المومنینؓ جب غزوہ بدر میں شریک تھیں اور انکی رخصت سن ۱ ہجری میں واقع ہوئی تو انھوں نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی زوجیت میں پورے دس سال گزارے۔ مورخین نے جو نو سال کی مدت بیان کی ہے یا ہشام کی روایت میں

جو نو سال کی مدت بیان کی گئی ہے وہ غلط ہے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں صحابہؓ کے وظائف مقرر فرمائے تو بدرین کے وظائف غیر بدرین سے زیادہ متعین فرمائے۔ اور ازواج مطہرات کے جو وظائف متعین ہوئے تو ام المومنین حضرت عائشہؓ کا وظیفہ ان سب سے زیادہ متعین کیا گیا۔ ہمارے مورخین عام طور پر یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ام المومنینؓ کا وظیفہ اس لئے زیادہ متعین کیا گیا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ تھیں ہو سکتا ہے کہ یہ وجہ بھی ہو لیکن ہمارے نزدیک اصل وجہ یہ ہے کہ غزوہ بدر میں شریک تھیں اور یہ شرف کسی اور زوجہ کو حاصل نہ تھا۔ بلکہ روئے زمین کی کسی عورت کو یہ فخر حاصل نہیں۔

اللہ تعالیٰ امام مسلم پر رحمتیں نازل فرمائے کہ اتنی اعلیٰ سند سے یہ روایت پیش کی کہ کوئی تخریب کار کسی راوی پر انگشت نمائی نہیں کر سکتا۔ انھوں نے ایک واقعہ کے ذریعے یہ ثابت فرما دیا کہ ام المومنینؓ بدر میں شریک تھیں اور سن ۱ ہجری میں زوجیت رسولؐ میں آئیں اور دس سال تک آپ کی زوجیت میں رہیں اور ہشام کی روایت میں جو زوجیت کے نو سال کا ذکر آرہا ہے وہ درست نہیں۔

اللہ تعالیٰ امام مسلم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے جنھوں نے یہ واقعہ نقل کر کے عملی طور پر یہ ثابت کر کے دکھا دیا کہ ام المومنینؓ کا کام گڑیاں کھیلنا نہیں تھا بلکہ ان کا محبوب مشغلہ تلواروں کا کھیل تھا بلکہ اسی کے سائے میں ان کی پرورش ہوئی تھی۔ یہی ان کی فطرت تھی کیونکہ تلواروں کے کھیل دیکھنے والی کوئی لڑکی گڑیاں نہیں کھیلا کرتی۔ یہ گڑیاں کھیلنا عجمی مشغلہ ہے عربی مشغلہ نہیں۔ یہ عراقی راوی اپنے علاقہ کی عورتوں کی فطرت کو ام المومنینؓ کے سر تھوپنا چاہتے ہیں۔ اور غالباً پیش نظر یہ مقصد ہے کہ یہ کہنے کے لئے یہ راہ ہموار ہو جائے کہ جس لڑکی نے گڑیاں کھیل کر اپنا وقت گزارا ہو وہ قرآن و سنت کے مفہوم کو کیا جانے۔

اس روایت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ام المومنینؓ نو سالہ لڑکی نہ تھیں اگر وہ نو سالہ لڑکی ہوتیں تو ان کا محاذ جنگ پر جانے کا کیا مقصد؟ کیونکہ جو بھی عورت محاذ جنگ پر جاتی ہے اس کے ذمہ جنگی اور فوجی خدمات ہوتی ہیں جیسا کہ آئندہ سطور میں یہ بات سامنے آئے گی۔

غزوہ بدر کے سلسلہ میں ایک مشہور عام واقعہ یہ ہے کہ اس روز جو علم تیار کیا گیا وہ ام المومنین عائشہؓ کی اوڑھنی سے تیار کیا گیا تھا۔ اگر یہ واقعہ سچ ہے تو یہ اس امر کا مزید ثبوت

ہے کہ ام المومنینؓ کی رخصت سن ا ہجری میں ہو چکی تھی اور وہ غزوہ بدر میں شریک تھیں۔ کیونکہ یہ بات تو بعید از قیاس ہے کہ ایک ایسی لڑکی کی اوڑھنی لے کر جو ابھی تک رخصت ہو کے نہ آئی ہو آپؐ میدان جہاد میں پہنچے ہوں یہ تصور بھی محال ہے اور یہ بھی ممکن نہیں کہ نئی نویلی دلہن کی اوڑھنی اتار کر آپ اسے بدر کے میدان میں لے گئے ہوں اور یہ بھی ممکن نہیں کہ آپ مقام بیداء تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رخصت کرنے گئیں اور اپنی اوڑھنی بھی وہیں چھوڑ آئیں یہ شیریں فرہاد کا قصہ نہیں۔ بلکہ صورت حال کچھ اس طرح پیش آئی ہوگی کہ اچانک جو جنگ سامنے آئی تو اس کے لئے علم تیار کرنے کا مسئلہ پیدا ہوا ہوگا۔ لشکر گاہ میں شاید کوئی ایسا کپڑا موجود نہ ہوگا جس کا علم تیار ہو سکے تو ام المومنین نے اپنی اوڑھنی عنایت فرمائی ہو اور خود سر پر رومال باندھ کر فوجی خدمات کے لئے تیار ہوئی ہوں اور عراقی راویوں نے اسے شیریں فرہاد کے قصہ میں رنگ دیا۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ اوڑھنی ہندی زبان کا لفظ ہے عربی زبان میں باقاعدہ کوئی لفظ اس کے لئے نہیں پایا جاتا۔ ام المومنینؓ نے اپنی چادر عنایت فرمائی ہوگی جسے ہمارے اردو مصنفین نے اوڑھنی میں تبدیل کر دیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مترجمین لال اوڑھنی کے چکر میں مبتلا ہوں۔

ہاں اتنی بات ضرور ذہن میں رکھیں کہ یہ جھنڈے مقام روحاء میں تیار کئے گئے تھے جو مدینہ سے چالیس میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ ایک جھنڈا انصار کے لئے تیار ہوا اور دوسرا مہاجرین کے لئے جو حضرت مصعب بن عمیرؓ کو دیا گیا اور واقدی رافضی کا قول ہے کہ حضرت علیؓ کو دیا گیا۔ جسے بعد کے سنی علماء نے جو ہر روایت کو اپنانا ایک دینی فریضہ تصور کرتے ہیں اس طرح فیصلہ دیا کہ ایک علم حضرت مصعبؓ کو دیا گیا اور ایک حضرت علیؓ کو اور شیعہ مورخین نے حضرت مصعب کا نام خارج کر کے حضرت علیؓ کو علمبردار کی حیثیت سے مشہور کر دیا۔ ع

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

آج ہمارے ہاتھوں میں جو تاریخ ہے وہ مسخ شدہ تاریخ ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں سبائی بہت پہلے ہی کاٹ چکے ہیں۔ اس کے ہاتھ پاؤں جوڑنا اسی وقت ممکن ہے جب وہ ہمیں صحیح حالت میں کہیں سے دستیاب ہو جائیں۔ بہت سے لوگ تاریخ کی کھدائی میں مشغول ہیں۔ دیکھئے یہ اعضاء کب تک دستیاب ہوتے ہیں۔ اور اگر ظاہر بھی ہو جائیں تو اس امر کا کیا ثبوت

کہ وہ مصنوعی اعضاء نہیں ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مصنوعی اعضاء یا مصنوعی جسم کی بدولت اس لنگڑے لولے جسم سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں۔

جیساکہ بغداد میں اس صدی کی ابتداء میں حضرت حذیفہ اور حضرت جابر بن عبداللہ کی لاشیں دستیاب ہو گئیں ۔ حالانکہ حضرت جابر تمام مورخین و محدثین کے نزدیک مدینہ منورہ میں بقیع میں دفن ہیں ہو سکتا ہے کہ یہ مصنوعی قبریں اور ان کے کتبے بنو امیہ کے دور میں تیار کئے گئے ہوں یا ان حضرات نے مرنے کے بعد زیرزمین کوئی سرنگ نکالی ہو اور سفر کرتے کرتے بغداد پہنچ گئے ہوں جیسے حضرت حسینؓ کی چار صاحبزادیاں لاہور پہنچ گئیں اور آج تک نیک بیبیوں کے نام سے ان کے مزارات مشہور ہیں یا حضرت علیؓ بیک وقت نجف اور بلوچستان میں کوہ مولا اور دکن کے کوہ مولا میں دفن ہو گئے ہوں ۔ دراصل یہ سب باطنی راز ہیں اور ہمارے پاس وہ نگاہ نہیں جو پس پردہ کی بات معلوم کر سکے اور ہمارے لئے تو ان رازوں کو سمجھنا بھی محال ہے ۔ اس لئے کہ سب سے بڑی رکاوٹ علم ہے کیونکہ **العلم حجاب الاکبر** رازوں کو معلوم کرنے کے لئے سب سے بڑا حجاب علم ہے ۔ اور اگر ہم غزالی و رومی اور جنید و شبلی کی طرح کتابوں کو دریا برد بھی کر دیں تو اصل قصور تو اس سر پھری کھوپڑی کا ہے اسے کہاں لے جائیں گے ۔ اور سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ یہاں دجلہ و فرات بھی نہیں جن کی برکات سے ہم کھوپڑی کو دھولیں اور جو کچھ پڑھا ہے وہ سب کچھ محو ہو جائے ۔ ہمارا ذہن تو یہ کہتا ہے کہ حسن بن صباح نے جنت کے بہانے جو لوگوں کو بھنگ پلائی تھی یہ اسی بھنگ کے نتائج تھے کہ ہزاروں کتابیں دریا برد کر دی گئیں اور دماغی پرواز باطن کی گہرائیوں تک پہنچ گئی ۔ اور اگر ہم بھی ایسا کرتے تو کسی گدی پر بیٹھے لوگوں کی مشکل کشائی کرتے اور اگر نہ کر پاتے تو قیامت کے دن لوگوں کا ہاتھ ہوتا اور ہمارا دامن ہوتا ۔ لیکن افسوس یہ کہ ہم اس کے چکر میں زندگی گنوا بیٹھے کہ روز محشر سب برہنہ اٹھیں گے اور سب نفسی نفسی پکارتے ہوں گے نہ وہاں کسی کا دامن ہو گا اور نہ گریباں۔

گیارہویں دلیل

غزوہ احد ایک ایسا غزوہ ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شدید زخمی ہو گئے تھے ۔ بخاری کی ایک حدیث کے مطابق آپ کے پاس صرف دو صحابہ رہ گئے تھے ۔ سعدؓ بن وقاص اور

طلحہؓ بن عبیداللہ، کچھ لوگ افراتفری میں مبتلا ہو کر دل چھوڑ بیٹھے تھے، کچھ لوگ تن تنہا مصروف پیکار تھے اور انہیں ایک دوسرے کی کوئی خبر نہ تھی، کچھ لوگ اپنی جانیں بچانے کے لئے پہاڑ پر چڑھ گئے تھے اور پورے لشکر میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے

اس روز حضرت ابو طلحہؓ انصاری جو حضرت انس کے سوتیلے والد ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع فرما رہے تھے۔ بار بار عرض کرتے کہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان آپؐ اپنی جگہ سے نہ اٹھئے کہیں آپ کے کوئی تیر نہ لگ جائے۔

یہ حیات نبویؐ میں وہ واحد جنگ ہے جس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ستر صحابہ نے جام شہادت نوش کیا۔ اور شاید ہی کوئی فرد ایسا ہو گا جو زخموں سے چور نہ ہوا ہو۔ اس غزوہ میں چند عورتیں بھی شریک تھیں۔

اس سے قبل کہ ہم اس پر تبصرہ کریں کہ اس غزوہ میں کون کون سی عورتیں شریک تھیں۔ اور ان کی کیا کیا ذمہ داریاں تھیں، یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیش آمدہ خطرات سے واقف تھے۔ اسی لئے آپ نے چودہ سالہ لڑکوں کو اس غزوہ میں شرکت کی اجازت نہیں دی۔ ان کم عمر بچوں میں حضرت سمرۃ بن جندبؓ، حضرت براءؓ بن عازب حضرت انسؓ بن مالک، حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت عبداللہؓ بن عمر شامل ہیں بلکہ ابن عمرؓ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ مجھے غزوہ احد میں شامل نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس وقت میری عمر چودہ سال تھی اور سب سے پہلا غزوہ جس میں، میں شریک ہوا وہ غزوہ خندق ہے۔ لہذا جنگ میں شرکت کی حد کم از کم پندرہ سال ہے۔ بلکہ بعض ائمہ فقہاء نے ابن عمر کی اسی روایت کے باعث بلوغ کی حد کم از کم پندرہ سال بیان کی ہے۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ میں شرکت کیلئے کم از کم عمر کی حد پندرہ سال رکھی تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ کسی کم عمر لڑکی کو غزوہ میں شرکت کی اجازت دی جائے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ جنگ میں جو عورتیں شریک ہوتیں ان کی متعدد ذمہ داریاں ہوتیں۔ زخمیوں کو میدان جنگ سے اٹھانا۔ ان کا علاج معالجہ، زخمیوں اور مجاہدین کو پانی پلانا بلکہ بوقت ضرورت انہیں اسلحہ سپلائی کرنا۔ ظاہر ہے کہ میدان جنگ میں یہ امور انجام دینا ہر عورت کے بس کا کام نہیں تھا کہ اس سلسلہ میں نو دس سالہ بچیوں سے کام لیا جائے۔

عورت اتنے اہم کام اسی وقت انجام دے سکتی ہے جب وہ کچھ نہ کچھ فنون حرب سے بھی واقفیت رکھتی ہو۔ اور ضرورت پڑنے پر اپنا دفاع کر سکتی ہو۔ بلکہ اتنا دل بھی رکھتی ہو کہ ضرورت پڑنے پر میدان کارزار میں اترنے کے لئے تیار ہو۔

ہم جب ان امور پر غور کرتے ہیں تو ہمارا ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ یہ کام کسی کمسن بچی کے سپرد نہیں کئے جا سکتے۔ اور جب کہ چودہ سالہ بچوں کو بھی اس میں شرکت کی اجازت نہیں دی گئی۔ لہذا اس جنگ میں جو عورتیں شریک ہوئی ہوں گی وہ جوان العمر اور تجربہ کار ہوں گی اور تمام اونچ نیچ کو اچھی طرح سمجھتی ہوں گی۔

ام عمارہؓ: اس غزوہ میں جو عورتیں شریک تھیں ان میں ام عمارہؓ تھیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت میں شریک تھیں۔ ان کے جسم پر اس روز تیرہ زخم آئے۔ ان کی مرہم پٹی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کھڑے ہو کر کرائی۔

انھوں نے ابن قمیہ کا مقابلہ کیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پتھر مارا تھا۔ یہ اس پر لاٹھی کا وار کر رہی تھیں اور وہ ان پر تلوار سے حملہ کر رہا تھا۔ حتی کہ ایک وار سے وہ نیچے گر گیا۔ اور اس کا سر کھل گیا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنسنے لگے۔

انھوں نے مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں بھی حصہ لیا۔ اور باقاعدہ جنگ کی جس میں ان کے بارہ زخم آئے۔ حتی کہ ان کے ہاتھ اس جنگ میں بے کار ہو گئے۔

جو عورتیں باقاعدہ جنگ میں شریک نہیں ہوتیں وہ بھی مسلح ہوتیں۔

ام سلیمؓ: ابن سعد نے نقل کیا ہے احد کے روز ام سلیمؓ کے پاس خنجر موجود تھا۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ حنین کی جنگ میں ام سلیمؓ ایک خنجر لئے ہوئے تھیں۔ ابو طلحہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ام سلیمؓ ہیں اور ان کے پاس خنجر موجود ہے۔ ام سلیمؓ نے سنا تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ خنجر اپنے پاس اس لئے رکھتی ہوں کہ اگر کوئی کافر میرے قریب آئے تو میں اسکا پیٹ پھاڑ دوں۔ (طبقات ابن سعد ج ۸: ص ۴۲۵)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آگئی کہ کسی غزوہ میں شرکت کسی بچی کا کام نہیں اور پھر حضرت ام سلیمؓ جو حضرت انس کی والدہ ہیں ایک پختہ عمر کی تجربہ کار عورت ہیں۔ اور اکثر غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئیں۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ۔ ہم سطور بالا میں ثابت کر چکے ہیں کہ ام المومنینؓ حضرت عائشہؓ غزوہ بدر میں ایک عورت کی حیثیت سے شریک تھیں۔ اور جنگ احد میں بھی حضرت ام سلیم کے ساتھ مصروف کار تھیں۔

حضرت انس فرماتے ہیں میں نے عائشہؓ بنت ابی بکر اور ام سلیمؓ کو دیکھا۔ وہ دونوں پائنچے چڑھائے تھیں اور مجھے ان کی پنڈلیوں کے پچھلے حصے نظر آ رہے تھے۔ یہ دونوں مشکیں اوپر اٹھائے ہوئے تھیں اور مجاہدین کو پانی پلاتیں۔ پھر جا کر انھیں بھر کر لاتیں اور مجاہدین کو پانی پلاتیں۔ (بخاری ج ا صفحہ نمبر ۴۰۳)

یہ پانی پلانے کا عمل میدان جنگ میں جاری تھا۔ ظاہر ہے یہ عمل ایک مسلح اور تجربہ کار عورت کا تو ہو سکتا ہے لیکن ایک دس سالہ کمسن اور ناتجربہ کار بچی کا نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے مشک اٹھانا بھی دشوار عمل ہے۔ کجا کہ ام سلیمؓ جیسی تجربہ کار عورت کے ساتھ برابر کا شریک ہونا خود اس امر کا ثبوت ہے کہ ام المومنینؓ ہرگز اس وقت کم عمر نہ تھیں۔ اور جب کہ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اس جنگ میں چودہ سالہ لڑکوں کو بھی شرکت کی اجازت نہیں دی گئی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ام المومنینؓ دس سال کی عمر میں اس کام پر مامور کی جاتیں اور اگر انھوں نے یہ خدمت بلا اجازت رسول انجام دی بھی تو اس پر کیوں خاموشی اختیار کی گئی اور اگر تنبیہ کی گئی تو ہر دو امور کے ثبوت درکار ہیں۔ ؟ قارئین کرام یہ تمام گفتگو حدیث کے نقطہ نگاہ سے تھی اب کچھ تاریخی گفتگو بھی ہو جائے جس سے ان تمام مباحث کی تائید ہوتی ہے

بارہویں دلیل

تمام محدثین اور مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ اپنی بڑی بہن اسماءؓ سے دس سال چھوٹی تھیں۔ اور حضرت اسماءؓ کا انتقال ۷۳ھ میں سو سال کی عمر میں ہوا اس لحاظ سے جب ہم دیکھتے ہیں تو حساب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہجرت مدینہ کے وقت حضرت اسماءؓ کی عمر ستائیس یا اٹھائیس سال تھی۔ ستائیس میں سے جب دس خارج کئے جاتے ہیں تو ام المومنینؓ کی عمر ہجرت کے وقت سترہ اٹھارہ سال بنتی ہے۔ اور رخصتی کے وقت اگر وہ ۱ھ میں ہوئی تو انیس سال اور ۲ھ میں ہوئی تو بیس سال بنتی ہے۔

ولی الدین الخطیب اپنی "الاکمال فی اسماء الرجال" میں رقمطراز ہیں۔

وھی ام عبداللہ بن الزبیر اسلمت بمکتہ قدیما قیل اسلمت بعد سبعتہ عشر انسانا وھی اکبر من اختھا بعشر سنین وماتت بعد قتل ابنھا بعشرۃ ایام و قیل بعشرین یوماً بعد ما انزل ابنھا من الخشبتہ ولھا مائتہ سنۃ ذالک سنتہ ثلاث و سبعین بمکتہ۔ (مشکواۃ ص ۵۵۶)

اسماءؓ عبداللہ بن الزبیرؓ کی والدہ ہیں مکہ میں ابتداء میں ہی اسلام لائیں۔ کہا جاتا ہے کہ سترہ افراد کے بعد اسلام لائیں۔ وہ اپنی بہن عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں۔ اور اپنے بیٹے کے قتل کے دس دن بعد وفات پائی۔ ایک قول یہ ہے کہ بیس دن بعد جب ابن الزبیر پھانسی سے اتار دئے گئے۔ ان کی عمر سو سال ہوئی اور یہ واقعہ مکہ ۷۳ھ میں پیش آیا۔

حافظ ابن حجر "تقریب التھذیب" میں لکھتے ہیں۔

عاشت مائتہ سنۃ وماتت سنتہ ثلثہ و سبعین اوار بع و سبعین (تقریب التھذیب ص ۵۹۵)

اسماءؓ سو سال زندہ رہیں ۷۳ھ یا ۷۴ھ میں انتقال ہوا۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی مشہور تاریخ "البدایۃ والنھایۃ" میں تحریر فرماتے ہیں۔ اسماءؓ کی بہن عائشہؓ ہیں، ان کے والد ابوبکر صدیقؓ، ان کے دادا ابو قحافہؓ، ان کے بیٹے عبداللہؓ اور ان کے شوہر زبیرؓ ہیں۔ اور یہ سب کے سب افراد صحابی ہیں۔

حضرت اسماءؓ اپنے بیٹے عبداللہؓ اور اپنے شوہر کے ساتھ معرکہ یرموک میں شریک تھیں یہ اپنی بہن عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں۔

اسی سال یعنی ۷۳ھ میں جیسا کہ ہم نے پہلے تحریر کیا ہے انہیں اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر کے قتل کا سانحہ دیکھنا پڑا۔ اس واقعہ کے پانچ دن بعد، بقول بعض دس دن بعد بقول بعض کچھ اوپر بیس دن بعد اور بقول بعض سو دن بعد حضرت اسماءؓ نے وفات پائی اور یہی مشہور ہے، وفات کے وقت ان کی عمر سو سال تھی، نہ ان کا کوئی دانت ٹوٹا تھا نہ ان کی عقل میں کچھ نقص پیدا ہوا تھا۔ البدایہ والنہایہ ج ۸: ص ۳۴۶

یہی کچھ حافظ ذہبی نے اپنی کتاب "سیر اعلام النبلاء" میں تحریر کیا وہ فرماتے ہیں۔

"اسماء بنت ابی بکرؓ حضرت عائشہؓ سے دس سال کچھ اوپر بڑی تھیں۔" سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۰۸
عبدالرحمن بن ابی الزناد کا بیان ہے کہ اسماءؓ عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں ۔ عروہ کا بیان ہے کہ اسماء کا انتقال سو سال کی عمر میں ہوا ۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۲. ص ۲۱۳)

حافظ ذہبی ، حافظ ابن کثیر اور ولی الدین الخطیب کا شمار محدثین میں ہوتا ہے ۔ یہ حضرات صرف مورخ نہیں بلکہ محدث اور ماہر رجال ہیں ۔ یہ حضرات ام المومنین حضرت عائشہؓ اور ان کی بہن اسماءؓ کی عمروں میں دس سال کا تفاوت بیان فرما رہے ہیں ۔ اور اس حساب سے ام المومنین کی عمر نکاح کے وقت سولہ سال اور رخصتی کے وقت انیس سال بنتی ہے ۔ جو اس امر کا مزید ثبوت ہے کہ ہشام کی روایت میں ان سے دہائی کا عدد چھوٹ گیا ہے اور غلطی سے صرف اکائی نقل ہو گئی ۔ اور انیس کا نو بن گیا ۔ اب اگر ہشام والی روایت ہی پر ایمان لانا ہے اور ام المومنینؓ کو جب تک نو سال کا ثابت نہ کیا جائے تو ہمارے علماء کا کھانا ہضم نہیں ہوتا تو اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ حضرت اسماءؓ کی عمر گھٹا کر دس سال کم کر دی جائے ۔ لیکن یہ کہنے سے کام ہرگز نہ چلے گا کہ ہم تاریخ کو نہیں مانتے اس لئے ہم نے مورخین کے بجائے محدثین کے حوالے پیش کئے ہیں ۔ اور اسی لئے ہم نے ابتدا میں تاریخ کی کوئی روایت پیش نہیں کی تھی اہل مدینہ کیونکہ یہ جانتے تھے کہ ہشام پر عراق کی آب و ہوا اثر انداز ہو گئی ہے ۔ لہذا انہوں نے اس خلاف حقل روایت کو نقل ہی نہیں کیا ۔

تیرھویں دلیل

مورخ محمد بن جریر طبری حضرت ابو بکرؓ کے حالات میں رقم طراز ہیں:

ابو بکرؓ نے زمانہ جاہلیت میں دو نکاح کئے ۔ ایک قتیلہ سے جن کے بطن سے عبداللہ اور اسماءؓ پیدا ہوئے اور دوسرا نکاح ام رومانؓ سے کیا جن کے بطن سے عائشہؓ اور عبدالرحمنؓ پیدا ہوئے ۔ پھر کہتے ہیں ۔

فهؤلاء الاربعة من اولاده ولد ومن زوجيه التيين سميتها فى الجاهلية

تاریخ طبری ج ۴ ص ۵۰

یہ چاروں اولادیں ان دو بیویوں سے پیدا ہوئی ہیں جن کے نام ذکر کئے گئے ہیں ، یہ تمام اولاد

زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئیں۔

اس پر غور فرمائے کہ فرقہ سبائیہ حضرت عائشہؓ کی عمر پیش کر کے ام المومنینؓ کا مذاق اڑاتے ہیں اور مورخ طبری خود خالص شیعہ ہے۔ لیکن وہ اس کا اقرار کر رہا ہے کہ ام المومنینؓ زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئیں اور یہ بات تو غالباً ہر مسلمان جانتا ہے کہ بعثت رسول سے قبل کا زمانہ دور جاہلیت کہلاتا ہے۔ اب اگر ام المومنینؓ بعثت سے چند ماہ قبل بھی پیدا ہوئی ہوں تو رخصتی کے وقت ان کی عمر پندرہ سال بنتی ہے۔ اور ہم نے سطور بالا میں یہ ثابت کیا ہے کہ ام المومنینؓ بعثت سے کم از کم پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ اس لحاظ سے اتنا تو یقینی ہے کہ ام المومنینؓ انیس سال کی عمر میں رخصت ہوئیں۔ ہاں یہ امکان ضرور ہے کہ ان کی عمر اسؓ سے کچھ زیادہ ہو اس سے کم کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

ہمارا نظریہ یہ ہے کہ یہ تمام کھیل کوفیوں کی ایجاد ہے۔ کیونکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ نبوت کے پانچ سال بعد پیدا ہوئیں اور نکاح کے وقت ان کی عمر نو سال تھی حتیٰ کہ تحفۃ العوام میں جو ان کی اردو زبان میں فقہ کی کتاب ہے یہ تحریر ہے کہ جب لڑکی کی عمر نو سال ہو جائے تو اس کی شادی کر دی جائے۔ لہذا کوفیوں نے اپنی اس فریب کاری پر پردہ ڈالنے کے لئے دوسروں کو نکو بنانے کی کوشش کی اور ام المومنینؓ کی عمر کا ہوا کھڑا کر دیا۔ اور اس ہوئے کی اشاعت سنی حضرات نے دل کھول کر کی اور ان کو یہ جواب نہ دے سکے کہ تم حضرت فاطمہؓ کی عمر خود نو سال مانتے ہو۔ لیکن مشکل یہ درپیش تھی کہ سنی حضرات نے یہ فیصلہ دے دیا تھا کہ یہ بات غلط ہے اور حضرت فاطمہؓ نبوت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔

اگر حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ کی عمروں کے درمیان جو دس سالہ تفاوت ہے اس کو پیش نظر رکھا جائے تو بعثت نبوی کے وقت حضرت اسماءؓ کی عمر چودہ سال بنتی ہے۔ اس لحاظ سے ام المومنینؓ کو بعثت سے چار سال قبل پیدا ہونا چاہیے۔ گویا ام المومنینؓ اور حضرت فاطمہؓ تقریباً ہم عمر ہوئیں۔ اور ہر دو کی عمروں میں دس سال کا تفاوت پیدا کیا گیا اور اس قسم کے کارنامے اہل کوفہ ہی انجام دے سکتے ہیں۔

چودھویں دلیل

مورخ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں

کا تذکرہ "السابقون الاولون" کے عنوان سے کیا ہے۔ ام المومنینؓ حضرت خدیجہؓ سے ابتداء کرتے ہوئے مردوں عورتوں اور بچوں کا تذکرہ ترتیب وار ایک فہرست میں پیش کیا ہے لکھتے ہیں۔

حضرت خدیجہؓ کے بعد ابو بکر صدیقؓ کی دعوت پر عثمانؓ ابن عفان، زبیرؓ بن العوام، عبدالرحمنؓ بن عوف، سعدؓ بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبید اللہؓ (بشمول زیدؓ و علیؓ اور ابو بکر) یہ آٹھ آدمیوں کی جماعت ہے جو ابو بکرؓ کے ہاتھ پر اسلام لائی اور جنہوں نے اسلام کی جانب سبقت کی۔ پھر ابو عبیدہؓ بن الجراح اسلام لائے اور ابو سلمہؓ بن عبدالاسد اور ارقمؓ بن ابی الارقم (انہی کے مکان میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم قریش مکہ سے چھپے ہوئے تھے) آپ لوگوں کو خفیہ اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ ان کا مکان صفا پہاڑی پر واقع تھا۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کی تعداد حضرت عمرؓ کے اسلام پر چالیس ہو گئی۔

جب مسلمان پورے چالیس ہو گئے تو یہ لوگ باہر نکل آئے اور عثمان بن مظعون اور ان کے بھائی قدامہ اور عبداللہ اور عبیدہ بن الحارث اور سعید بن زید اور ان کی بیوی فاطمہ یعنی عمرؓ بن الخطاب کی بہن اور اسماؓ بنت ابی بکر اور عائشہؓ بنت ابی بکر (وہ ان دنوں چھوٹی تھیں) اور خبابؓ بن الارت۔ (ابن ہشام ج ۱/ ص ۶۵)

ابن ہشام کی تصریح کے مطابق یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ "السابقون الاولون" میں حضرت خدیجہؓ کو شامل کرنے کے بعد حضرت اسماءؓ کا نمبر انیسواں اور ام المومنینؓ کا نمبر بیسواں ہے یعنی ام المومنین حضرت عائشہؓ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے کافی قبل سن ۱ نبوت میں مشرف باسلام ہو چکی تھیں۔ یعنی اگر ہشام کی روایت کو قبول کر لیا جائے تو ام المومنینؓ اپنی تخلیق سے چار سال قبل مشرف باسلام ہو چکی تھیں۔ قربان جائے اس کرامت کے اتنی بڑی کرامت تو بڑے بڑے پیر صاحبان بھی نہ دکھا سکے۔ آج تک ہم مادر زاد ولی اور مادر زاد امام کی کہانیاں تو پڑھتے آئے لیکن مادر زاد بیعت رسول کا یہ فسانہ اپنا شاہکار آپ ہے۔
حافظ ابن کثیر رقم طراز ہیں۔

ابن اسحاق نے ترتیب وار ان صحابہ کے نام گنائے ہیں جو ابتداء میں اسلام لائے پھر عشرہ مبشرہ کے نو افراد گنانے کے بعد ابن اسحاق کہتے ہیں پھر ابو عبیدہؓ اسلام لائے اور ابو سلمہؓ اور ارقمؓ بن ابی الارقم اور عثمانؓ بن مظعون اور عبیدہؓ بن الحارث اور سعیدؓ بن زید اور ان کی بیوی فاطمہؓ بنت الخطاب اور اسماءؓ بنت ابی بکر اور عائشہؓ بنت ابی بکر ایمان لائیں اور یہ اس وقت کم عمر

تھیں ۔ السیرۃ النبویہ ج ۱/ ص ۲۵۲

اس جگہ ابن اسحاق نے حضرت عثمان بن مظعون کے دونوں بھائیوں قدامہ اور عبداللہ کا ذکر چھوڑ دیا ہے جو حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہؓ کا نمبر سترواں اور اٹھارواں بن گیا اور اگر دونوں کے نام داخل کرلئے جائیں تو ام المومنینؓ کا نمبر وہی بیسواں آتا ہے۔

بعینہٖ یہی تفصیل محدث سہیلی نے اپنے مشہور کتاب الروض الانف میں دی ہے۔

اس تمام تفصیل سے یہ امر تو واضح ہوگیا کہ ام المومنینؓ سابقین اولین میں داخل ہیں اور نبوت کے پہلے سال ایمان لائیں۔ اگرچہ وہ اس وقت کم عمر تھیں لیکن اتنی عمر تو یقیناً ہوگی کہ وہ اسلام اور ایمان کے مفہوم کو سمجھ سکیں۔ لازماً وہ نبوت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں اور اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی۔

حیات سید العرب کا مصنف سابقین اسلام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ سب سے اول ورقہ بن نوفل ایمان لائے۔ اس کی تائید حافظ بلقینی اور حافظ عراقی نے کی ہے۔ ابن مندہ ابن حجر، طبری، بغوی، ابن قانع، اور ابن السکن وغیرہ نے ورقہ کا شمار صحابہ میں کیا ہے۔

ورقہ کے بعد سب سے اول حضرت خدیجہؓ ہیں۔ ان کے بعد مردوں میں ابوبکرؓ، بچوں میں حضرت علیؓ، موالی میں زیدؓ بن حارثہ۔ پھر ام ایمن۔ پھر ام رومانؓ زوجہ ابوبکرؓ، پھر ام خیرؓ والدہ ابی بکر پھر اسماءؓ بنت ابی بکر۔ اور یہ مورخین میں مسلمہ امر ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ ساتھ ایمان لائیں۔ اس طرح ام المومنینؓ کا نمبر دسواں بنتا ہے۔

ابن سعد لکھتے ہیں کہ سب سے اول جو عورت ایمان لائیں وہ حضرت خدیجہؓ ہیں۔ ان کے بعد ام الفضلؓ ہیں جو حضرت عباس کی زوجہ تھیں۔ پھر اسماءؓ بنت ابی بکرؓ اور عائشہؓ ہیں۔ اور یہی قول ابن عباسؓ کا ہے۔

لیکن افسوس وہ حضرات جو ہشام کی روایت کا شکار ہوئے انہوں نے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس وقت تک تو ام المومنینؓ پیدا بھی نہیں ہوئیں تھیں اور سب سے زیادہ حیرت تو شبلی مرحوم پر ہے جنہوں نے سیرت النبیؐ ج ۱ میں سابقین اولین کی فہرست میں ابوبکرؓ کے خاندان کے کسی فرد کا ذکر نہیں کیا اور اس طرح انہوں نے ام رومانؓ، ام الخیرؓ، اسماءؓ اور عائشہؓ کے نام اس فہرست سے خارج کردئے۔ اور نہ صرف یہ تاریخی کارنامہ انجام دیا بلکہ حضرت خدیجہؓ کے علاوہ کسی عورت کا نام لینا گوارہ نہیں کیا۔ حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کی صاحبزادیوں کا بھی ذکر نہیں کیا۔ لیکن وہ حضرت علیؓ کو قطعاً نہ بھول سکے۔

حکیم عبدالرؤف دانا پوری نے چونکہ اپنی "اصح السیر" شبلی کی "سیرت النبیؐ" کے جواب میں تحریر کی ہے ۔ لہذا انہوں نے سابقین اسلام کی ایک طویل فہرست پیش کی ہے ۔اس فہرست میں سولھویں نمبر پر حضرت اسماءؓ اور سترھویں پر ام المومنین حضرت عائشہؓ کا ذکر کیا ہے ۰۰۰۰ لیکن کیونکہ ہشام کی روایت ان کے ذہن سے چپکی ہوئی تھی اس لئے نیچے حاشئے میں تحریر فرمایا۔

صحیحین کی روایت یہ ہے کہ ان سے حضورؐ نے عقد کیا تو چھ برس کی تھیں اور ایک روایت ہے سات برس کی اور جب زفاف ہوا تو نو برس کی تھیں ۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ زفاف شوال میں ہجرت کے پہلے سال ہوا ۔

ان کی پیدائش بعثت کے چار یا پانچ برس بعد ہوئی ۔ باوجود اس کے ان کا شمار قدیم الاسلام لوگوں میں ہے ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ گویا شروع ہی سے مسلمان تھیں ۔ (اصح السیر ص ۶۴)

حکیم صاحب کو اس امر کا ملال ہو رہا ہے کہ ام المومنینؓ کو قدیم الاسلام لوگوں میں کیسے شمار کر لیا گیا وہ تو اس وقت موجود بھی نہ تھیں ، اسلئے کہ صحیحین کی روایت (ہشام) کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے کہ نبوت کے چار پانچ سال بعد پیدا ہوئیں ۔ گویا کہ ام المومنینؓ خانہ زاد مسلمان تھیں اور غالباً یہی سوچ کر حکیم صاحب نے حضورؐ کی صاحبزادیوں حضرت زینب اور حضرت رقیہ کے ایمان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ۔ گویا آج تک جو بھی بہکا ہے وہ اسی ہشام والی روایت کے باعث بہکا ہے ۔ جس پر ہم ابتدائے مضمون میں بحث کر چکے ہیں ۔ یہ روایت اس طرح دماغوں پر چھائی کہ تمام روایات اور تمام احادیث اس کے مقابلے میں نظرانداز کر دی گئی ۔ ہشام کا تو آخری عمر عراق میں آکر دماغ خراب ہوا تھا لیکن اس نے اوروں کا ہوائی میں ایسا دماغ خراب کیا کہ انہیں اس کے سوا پوری کتب احادیث اور تاریخ میں کچھ نظر نہ آیا اور جس طرح طوطا خطرے کے وقت آنکھیں بند کر لیتا ہے ۔ اسی طرح انہوں نے اپنی عافیت اسی میں تصور کی کہ آنکھیں بند کر لی جائیں ۔

پندرھویں دلیل

مورخین کا ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ ام المومنینؓ کا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سے نکاح ہوا اس سے قبل ام المومنینؓ کا رشتہ جبیر بن مطعم بن عدی سے پکا ہو چکا تھا۔

ابن سعد نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہؓ کیلئے ابو بکرؓ کو پیغام دیا تو انھوں نے عرض کیا یا رسولؐ میں مطعم بن عدی بن نوفل کو اس کے بیٹے جبیر کے لئے زبان دے چکا ہوں ۔آپ مجھے اتنی اجازت دیجئے کہ میں کسی طرح اس سے پیچھا چھڑالوں ۔ ابو بکرؓ نے مطعم اور اس کے بیٹے سے پیچھا چھڑا لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح فرمایا۔

ابن سعد نے ایک اور روایت عبد اللہ بن نمیر کے واسطے سے عبد اللہ بن ابی ملیکہ سے ان الفاظ میں نقل کی ہے ۔

خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم عائشه الى ابى بكر الصديق فقال يا رسول الله انى كنت اعطتيها لمطعم بن عدى لا بنه جبير فدعنى حتى اسلها منهم فطلقها فتزوجها رسول الله صلى الله عليه وسلم. (طبقات ابن سعد ج ۸ صفحه ۵۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہؓ کیلئے ابو بکرؓ کو پیغام دیا ۔ ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عائشہ کو مطعم بن عدی کے بیٹے کے لئے دے چکا ہوں مجھے اتنی مہلت دیجئے کہ میں اس سے چھٹکارا پالوں ۔ جبیر نے انھیں طلاق دیدی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمالیا۔

ہم نے یہ عربی عبارت اس لئے پیش کی ہے تاکہ ہر ایک اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ لے کہ اس رشتہ کی بات مطعم بن عدی سے ہوئی تھی اور اس نے اپنے بیٹے جبیر بن مطعم بن عدی کے لئے ام المومنین کو مانگا تھا۔

لیکن اللہ بھلا کرے شبلی کا کہ انھوں نے نامعلوم کس رو میں یہ لکھ مارا: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب تھیں" (سیرت النبی ج: صفحہ ۴۰۵)

حالانکہ حضرت عائشہؓ جبیر سے منسوب تھیں۔ ان کے بیٹے سے منسوب نہیں تھیں ۔ اس وقت تک جبیر کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی ۔ ہو سکتا ہے علامہ شبلی سے غلطی واقع ہوئی ہو پھر یہ غلطی بعد کے مصنفین کے لئے مایہ ناز بن گئی ۔

سید سلیمان ندوی مرحوم اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: ۔

لیکن اس سے پہلے عائشہ جبیر بن مطعم کے بیٹے سے منسوب تھیں ۔ اس لئے اس سے پوچھنا بھی ضروری تھا ۔ سیرت عائشہؓ صفحہ ۱۵

نیاز فتح پوری صاحب لکھتے ہیں :۔

حضرت عائشہؓ اس وقت تک جبیر ابن مطعم کے بیٹے سے منسوب ہو چکی تھیں ۔ اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے جبیر سے پوچھا ۔ (صحابیات صفحہ نمبر ۳۶)

مولانا سعید اکبر آبادی مرحوم موجودہ دور کے ایک بہت بڑے محقق تھے رقم طراز ہیں

:

وہ بولے " میں جبیر بن مطعم کو زبان دے چکا ہوں " لیکن جب جبیر بن مطعم سے اس معاملہ میں بات چیت کی گئی تو اس نے انکار کر دیا ۔ (سیرت الصدیق صفحہ نمبر ۱۶)

آپ حضرات نے دیکھا کہ ان تمام حضرات نے یہ تو تسلیم کیا کہ ام المومنینؓ کی بات پہلے ہو چکی تھی ۔ لیکن ان تمام حضرات کو خود یہ علم نہیں کہ یہ بات کس سے پکی ہوئی تھی ۔ بلکہ انھوں نے شبلی کا بیان دیکھ کر مکھی پر مکھی ماری ہے اور بجائے جبیر کے اس کے ایک ایسے فرضی بیٹے سے منسوب کر دیا جو تا حال وجود میں بھی نہ آیا تھا ۔ اور کسی نے یہ بھی گوارہ نہ کیا کہ ابن سعد اٹھا کر دیکھ لیں ۔ ان کی غرض کتاب لکھنے سے تھی ۔ اور جب انھیں سیرت نبویؐ سے مواد دستیاب ہو گیا تو کیا ضرورت تھی کہ وہ بلاوجہ دماغ سوزی کرتے ۔ یہی وہ نکتہ ہے کہ ہر پہلے گزرنے والے شخص کو معصوم مان لو اور اس کے بارے میں یہ تصور بھی نہ کرو کہ اس سے غلطی ہو سکتی ہے ۔ مردہ پرست قوم اس کے علاوہ سوچ بھی کیا سکتی ہے ہم اگر اس قسم کی غلطیوں کو پکڑنا شروع کریں تو ایک نئی ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی ۔ میرے خیال میں اس کا نام "اغلاط المصنفین" موزوں رہے گا ۔

مورخ محمد بن جریر طبری نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے اور لکھا ہے

جب ابو بکر صدیق کفار کی ایذا رسانیوں سے تنگ آگئے اور انھوں نے سن ۵ نبوت میں حبشہ کی جانب ہجرت کا ارادہ کیا تو انھوں نے سوچا کہ جانے سے قبل اپنی بیٹی عائشہ کو سسرال کے حوالے کر جائیں اور بعد میں حبشہ کی جانب ہجرت کریں ۔

لہذا ابو بکر مطعم کے پاس گئے ۔ اس کی بیوی بھی وہاں موجود تھی مطعم نے اپنے بیٹے جبیر کے لئے عائشہؓ کو مانگا تھا ۔ جب ابو بکرؓ نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو مطعم کی بیوی نے ابو بکرؓ سے

کہا۔ اگر ہم اپنے بیٹے کی شادی تمہاری بیٹی سے کر دیں تو تم اسے بھی بے دین بنا لو گے (یعنی مسلمان) اور جس مذہب کو تم نے اختیار کیا ہے اس میں میرے بیٹے جبیر کو بھی شامل کر لو گے۔

ابو بکرؓ نے مطعم کی جانب متوجہ ہو کر کہا کہ یہ تمہاری بیوی کیا کہہ رہی ہے (یعنی کس طرح رشتہ سے انکار کر رہی ہے) مطعم نے جواب دیا بات تو ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ہمیں تم سے اور تمہاری بیٹی سے بھی اندیشہ ہے۔ یہ سن کر ابو بکر وہاں سے چلے آئے۔ (طبری ج ا ص ۲۹۳)

طبری کی اس روایت سے متعدد امور سامنے آئے

۱ یہ رشتہ جبیر سے ہوا تھا نہ کہ جبیر کے بیٹے سے

۲ حضرت ابو بکرؓ نے جب ہجرت حبشہ کا ارادہ کیا تو ام المومنینؓ یا تو جوان ہو چکیں تھیں یا قریب البلوغ تھیں۔ جب ہی حضرت ابو بکرؓ کو ہجرت حبشہ سے قبل بیٹی کی فکر دامن گیر ہوئی۔ ہشام کی روایت کی رو سے تو اولاً ام المومنینؓ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی ہوں گی اور اگر پیدا ہو بھی گئیں تھیں تو دو چار ماہ کی ہوں گی۔ تو کیا ہشام ام المومنینؓ کو دو چار ماہ کی عمر میں رخصت کرنا چاہتے تھے؟

فیا للعجب ! یا اس قسم کا کوئی حادثہ پیش آیا تھا کہ اے ابو بکرؓ اگر تیرے اب کوئی لڑکی ہوئی تو وہ میری بہو بنے گی۔

۳ اس سے یہ امر بھی ثابت ہوا کہ ابو بکرؓ کی طرح ان کی بیٹی عائشہؓ بھی تبلیغ اسلام میں مشہور ہو گئیں تھیں تب ہی تو مطعم کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ ابو بکرؓ کی بیٹی اس کے بیٹے کو گمراہ (صابی) کر دے گی۔ لہذا ایسے رشتہ سے دور ہی اچھے۔ تو اس سے خود بخود یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ۵ بنوت میں ان کی اتنی عمر ہو گئی تھی کہ وہ کافی سمجھداری کی عمر کو پہنچ چکی تھیں اور تبلیغ دین کر سکتی تھیں۔

۴ اور یہ بھی دنیا کا ایک ایک فرد جانتا ہے کہ کسی باپ کو بیٹی کی فکر اس وقت ہوتی ہے جب وہ جوان ہو جائے تو لازماً اس وقت ام المومنینؓ کی عمر اس منزل پر پہنچ گئی ہوگی کہ حضرت ابو بکرؓ کو ان کی فکر لاحق ہوئی۔ ہم جب اس لحاظ سے سوچتے ہیں تو ہماری سوچ ہمیں یہ کہنے پر مجبور کرتی ہے کہ ام المومنینؓ کی عمر اس وقت کم از کم پندرہ سال تو ضرور ہو گی۔ اس لحاظ سے جب اس حساب کو لے کر آگے بڑھتے ہیں تو رخصتی کے وقت ان کی عمر ۲۵ سال بنتی ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ عمریں کم کرنے کا ایک اعلیٰ ریکارڈ ہے۔

سولھویں دلیل

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ام المومنین عائشہؓ اور ام المومنین سودہؓ کے سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ترغیب خولہ بنت حکیم نے دی تھی جو حضرت عثمان بن مظعون کی زوجہ تھیں اور حضرت عثمان بن مظعون آپؐ کے رضاعی بھائی تھے اس لحاظ سے یہ خولہ آپؐ کی بھاوج ہوتی تھیں۔ خولہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نکاح کیوں نہیں فرمالیتے۔ یہ بات خولہ نے اس وقت فرمائی جب ام المومنین حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس سے نکاح کروں۔ خولہؓ نے جواب دیا خواہ کنواری سے اور خواہ بیوہ سے۔ آپ نے فرمایا کنواری کون ہے اور بیوہ کون ہے؟

خولہؓ نے جواب دیا کہ آپ کو جو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ عزیز ہے کنواری اس کی بیٹی عائشہؓ ہے اور بیوہ سودہ بنت زمعہ ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا تم دونوں جگہ میرا تذکرہ کر کے دیکھو۔

یہ واقعہ ایک طویل تفصیل کے ساتھ حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے اور اس واقعہ کو بیہقی اور مسند احمد کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ مسند احمد اور بیہقی تاریخ کی کتابیں نہیں بلکہ حدیث کی کتابیں ہیں۔ اور ابن کثیر نے ان کی روایات پر کوئی جرح بھی نہیں کی۔ اس لحاظ سے یہ دلیل مورخانہ نہیں محدثانہ ہے۔

عربی زبان میں نابالغ لڑکی کیلئے جاریہ اور اس لڑکی کیلئے جو بالغ ہو بکر کا لفظ بولتے ہیں جیسے ہماری اردو زبان میں کنواری کا لفظ بولا جاتا ہے۔ یہ لفظ آٹھ نو سالہ بچی پر نہیں بولا جاتا بلکہ بالغ لڑکی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

البکر تستاذن فی نفسها واذنها صماتها (مسلم)

باکرہ سے اس کے نکاح کے سلسلے میں اجازت لی جائے اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔

اور اسی لئے عربی زبان میں لفظ بکر ثیب کے مقابلے میں آتا ہے اور ثیب اس لڑکی کو کہتے ہیں جس کی پہلے شادی ہو چکی ہو۔ پھر خواہ اس کا خاوند مر گیا ہو یا اس نے طلاق دے دی ہو جس کے لئے ہم اردو زبان میں لفظ عورت استعمال کرتے ہیں۔ اگر آپ کو یقین نہ آئے تو کسی کنواری لڑکی کو عورت کہہ کر تماشا دیکھ لیجئے اسی لئے اس حدیث کا دوسرا جملہ ہے۔

والثیب احق بنفسہا من ولیہا

اور ثیب ولی سے زیادہ اپنی جان کی حقدار ہے۔

یہ لفظ بکر کے مقابلہ میں بولا گیا ہے۔ مسند احمد اور بیہقی کی اس روایت میں بھی خولہؓ نے عرض کیا

بکرا و ثیبا باکرہ بھی ہے اور ثیب بھی ہے۔

یہ لفظ بکر (کنواری) اس امر کا ثبوت ہے کہ جب خولہؓ بنت حکیم نے اس کا تذکرہ کیا تو عائشہؓ بالغہ اور جوان تھیں۔ ورنہ اگر وہ چھ سال کی بچی ہوتیں تو خولہ یہ الفاظ کہتیں جاریۃ وثیبا (ایک کم عمر لڑکی اور ایک عورت موجود ہے) اتنا بڑا صریح جھوٹ نہ بولتیں۔ وہ عجمی نہ تھیں جو عربی سے ناواقف ہوں۔ لہٰذا ان سے جملہ میں غلطی واقع ہو گئی ہو اس کا بھی امکان نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم روزانہ صبح و شام ابو بکرؓ کے گھر تشریف لے جاتے جیسا کہ سابقہ صفحات میں بخاری کے حوالے سے ذکر ہو چکا ہے۔ ایسی صورت میں کیا حضورؐ کو اس امر کا بھی احساس نہ ہو سکا کہ خولہؓ جسے کنواری لڑکی بتا رہی ہیں وہ تو ایک چھ سالہ بچی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کو تو یہ فرمانا چاہیئے تھا کہ اے بھابی (خولہؓ) آپ کا دماغی توازن بھی درست ہے یا نہیں۔ آپ میرے سامنے ایک ایسی بچی کو کنواری بنا کر پیش کر رہی ہیں جسے میں صبح و شام دیکھتا ہوں اور ظاہر ہے ایسی کوئی بات پیش نہیں آئی۔ بلکہ جب خولہؓ نے ابو بکرؓ کو پیغام دیا تو ابو بکرؓ نے جواب دیا میں تو عائشہؓ کے لئے مطعم کو زبان دے چکا ہوں۔ اچھا مجھے اتنی مہلت دو کہ میں اس معاملہ کو خوش اسلوبی سے نمٹا دوں حالانکہ ابو بکرؓ کو یہ عذر پیش کرنا چاہیئے تھا کہ وہ تو ابھی بچی ہے۔ کہیں تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔

یہ تمام امور اس بات کا ثبوت ہیں کہ حضرت عائشہؓ اس وقت بچی نہ تھیں۔ ورنہ ابو بکرؓ اور خولہؓ بنت حکم دونوں کو احمق تسلیم کرنا ہو گا۔ اور نبی کریم کی ذات اقدس پر جو رکیک حملہ ہو گا وہ جداگانہ۔

لہٰذا خولہؓ نے آپ کے سامنے جو بیان فرمایا تھا کہ ایک کنواری موجود ہے۔ وہ صحیح فرمایا تھا۔ اس پر نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کو اعتراض ہوا نہ ابو بکرؓ کو۔ اگر یہ نکاح اس وقت ہوا ہوتا جب ام المومنینؓ کی عمر چھ سال تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا اتنا مذاق اڑایا جاتا جتنا دس گیارہ سال میں بھی نہ اڑایا گیا ہو۔ کیونکہ مشرکین کو ایک بہت عمدہ حیلہ ہاتھ آجاتا۔ اور ہم ہرگز بھی یہ تصور نہیں کر سکتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم اور ابو بکرؓ جیسے معاملہ فہم اشخاص اس قسم کی غلطی کا ارتکاب کرتے اور خود کو لوگوں کی زبانوں اور نگاہوں کا نشانہ بناتے۔

ہم بھی پہلے اس کے قائل تھے کہ ام المومنینؓ کی رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی ۔ اور ہم بھی ایک زمانہ تک اسی سوچ کے حامی رہے کہ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے ۔ لیکن جب ہم نے خالی الذہن ہو کر کتب احادیث و تاریخ اور رجال کا مطالعہ کیا تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہم اب تک مینڈک کی طرح کنویں میں چھلانگیں لگا رہے تھے ۔ لیکن اب ہم اس منزل پر پہنچ گئے ہیں کہ ہمارے لئے دجلہ و فرات اور خلیج فارس بھی ہیچ ہیں ۔ اب دعا صرف یہ ہے کہ ہمارے علماء بھی اس کنویں سے باہر نکل آئیں اور دیکھیں کہ یہاں پاکستان میں کتنے دریا بہہ رہے ہیں

سترھویں دلیل
حضرت عائشہؓ کی رخصتی

ابن سعد نے طبقات میں عمرہ بنت عبدالرحمن سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے ام المومنینؓ سے دریافت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کب رخصت کیا ۔ انھوں نے جواب دیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو مجھے اور اپنی لڑکیوں کو مکہ میں پیچھے چھوڑ گئے ۔ مدینے آنے کے بعد آپؐ نے ہمیں لینے کے لئے زیدؓ بن حارثہ کو روانہ فرمایا اور ان کے ساتھ اپنے غلام ابو رافعؓ کو روانہ فرمایا اور انہیں دو اونٹ اور پانچ سو درہم دئے ۔ یہ درہم آپؐ نے ابو بکرؓ سے لئے تھے ۔ اور یہ درہم زید بن حارثہ کو اس لئے دئے گئے تھے تاکہ وہ دونوں اس سے ضرورت کا سامان اور مزید سواری خرید سکیں ۔

ابو بکرؓ نے ان دونوں کے ساتھ عبداللہ بن اریقط دیلی کو دو یا تین اونٹ دے کر بھیجا اور اپنے بیٹے عبداللہ کو لکھا کہ ان کے کنبے کو سوار کرا دے ۔ یعنی میری ماں ام رومانؓ اور اسماءؓ (زبیر کی بیوی) ہم سب ساتھ نکلے ۔ جب ہم قدید پہنچے تو زیدؓ بن حارثہ نے پانچ سو درہم سے تین اونٹ خریدے اور ہم نے اکٹھے سفر شروع کیا ۔ راہ میں طلحہ بن عبیداللہ ملے وہ بھی ہجرت کے ارادے سے نکلے تھے اور ابو بکرؓ کے گھر والوں کے ساتھ سفر کرنا چاہتے تھے (غالباً ہم خاندان ہونے کے باعث)

زیدؓ بن حارثہؓ، ابو رافعؓ، فاطمہؓ، ام کلثومؓ، اور سودہ بن زمعہ کو لے کر چلے ۔ نیز زید بن حارثہؓ نے اپنی بیوی ام ایمنؓ اور اپنے بیٹے اسامہؓ کو ساتھ لیا ۔ اور عبداللہ بن ابی بکرؓ ام رومانؓ اور اپنی دونوں بہنوں کو لے کر چلے اور طلحہؓ بھی ہمارے ساتھ شریک ہوئے ۔ جب ہم بیض کے

مقام پر پہنچے جو منیٰ کے قریب ہے میرا اونٹ بدک کر دوڑ پڑا ۔ اور میں محفہ میں تھی ۔ میری ماں چلانے لگی ہائے میری بیٹی ۔ ہائے میری دلہن ۔ یہاں تک کہ لوگوں نے ہمارے اونٹ کو پالیا ۔ اور وہ ٹیلے سے نیچے اتر آیا ۔ اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ رکھا ۔

جب ہم مدینہ پہنچے تو میں ابو بکرؓ کے کنبے کے ساتھ اتری ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان مسجد کے گھروں میں اترا ۔ اور آپؐ اس وقت مسجد اور اس کے گرد حجرے بنوا رہے تھے ۔ پس ہم کچھ دن ابو بکر کے گھر رہے ۔

پھر ابو بکرؓ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آخر آپؐ کو کس بات کی رکاوٹ ہے جو آپؐ اپنی بیوی کو رخصت نہیں کراتے ۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ مہر کی رکاوٹ ہے ۔ تو ابو بکرؓ نے آپؐ کو بارہ اوقیہ اور کچھ نش عنایت فرمائے (یعنی پانچ سو درہم اور کچھ اوپر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بطور مہر ہمارے پاس روانہ کردئے ۔ تو میری رخصتی اس گھر میں ہوئی جس میں، میں اب ہوں ۔ یہی وہ گھر ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں دروازہ بنا لیا تھا جو میرے دروازے کے سامنے تھا ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سودہؓ کو بھی مسجد کے گھروں میں سے ایک گھر میں رخصت کیا جو میرے گھر کے پہلو میں ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس رہتے تھے ۔ طبقات ابن سعد ج ۸ / ص ۶۸

اگرچہ اس روایت کا راوی واقدی کذاب ہے ۔ لیکن اول تو یہ ضروری نہیں کہ جسے ہم جھوٹا کہیں وہ ہر بات ہی جھوٹ بولتا ہو ۔ کوئی نہ کوئی بات تو وہ بھی سچ کہتا ہوگا ۔ اور پھر بعض شیخ الحدیث صاحبان نے شبلی کے رد کے شوق میں اسے ثقہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ۔ ہم نے تو اس کی یہ روایت اس لئے نقل کی ہے کہ ہم نے اوپر حوالجات پیش کئے ہیں ان سے اس روایت کی تائید ہوتی ہے ۔ کم از کم ایک جھوٹے کے منہ سے یہ بات تو سچی نکلی!

ہمارا مقصود تو بس اتنا ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد اگر ام المومنینؓ صرف آٹھ نو سال کی ہوتیں تو ابو بکرؓ کبھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ کہتے کہ آپؐ اپنی بیوی کو رخصت کرالیجئے یعنی آخر میں کب تک بیٹی کو گھر پر بٹھائے رکھوں، اور رسول صلی الله علیہ وسلم ہرگز یہ جواب نہ دیتے کہ مہر کی رکاوٹ ہے بلکہ فرماتے جلدی کیا ہے وہ ہنوز بچی ہے ۔ لیکن اس کے برعکس آپؐ نے یہ جواب دیا کہ مہر کی کمی ہے ۔ اور ابو بکرؓ بھی نہ چاہتے تھے کہ جوان بیٹی گھر بیٹھی رہے لہذا مہر کی رقم بھی خود ہی بھیج دی اور پھر آپؐ نے ام المومنینؓ کو رخصت کرالیا ۔ جس سے یہ

ثابت ہوا کہ واقعتاً مہر کے علاوہ کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

اٹھارویں دلیل

ابن عباسؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

الایم احق بنفسھا من ولیھا والبکر تستاذن فی نفسھا و اذنھا صماتھا۔ (مسلم ج۱/ ص۴۵۵)

عورت ولی سے زیادہ اپنی جان کی حقدار ہے۔ اور کنواری سے اس کے معاملے میں اجازت لی جائے گی۔ اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔

بلکہ بعض روایات میں تو یہ الفاظ ہیں۔

والبکر تستامر۔ ایضاً

اور کنواری سے حکم طلب کیا جائے۔

اور ابوہریرہ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔

لا تنکح الایم حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن (مسلم ج۱/ ص۴۵۵)

عورت کی اس کے حکم کے بغیر شادی نہ کی جائے اور کنواری کے بغیر اجازت کے۔

ان احادیث کی رو سے شادی میں کنواری لڑکی کی رضا شرط ہے۔ اور اگر لڑکی نابالغ ہو تو اس کی رضا کا کوئی مسئلہ ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ وہ نکاح کے مقصد سے ہی واقف نہیں ہوتی۔ اس لئے فقہا نے اس مسئلے کا حل یہ نکالا کہ کم عمر لڑکی کا نکاح اس کا ولی بھی کر سکتا ہے اور اس کے جواز کے لئے ان حضرات فقہا نے ہشام کی اس کہانی کو بطور دلیل پیش کیا۔ اور اس مسئلہ میں اس روایت ہشام کے علاوہ اور کوئی روایت نہیں۔ اور جب یہ روایت ہی غلط ہے تو اس کی بنیاد پر جو نکاح صغیرہ کی عمارت رکھی گئی ہے وہ بھی غلط ہے۔

انیسویں دلیل

کتب احادیث و تاریخ سے ثابت ہے کہ مہاجرین جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو یہاں کی آب و ہوا انہیں راس نہ آئی۔ اکثر صحابہ بیمار ہو گئے اور ابوبکر صدیقؓ بھی سخت بخار میں مبتلا

ہو گئے۔ ام المومنین عائشہؓ نے اپنے والد کی تیمارداری فرمائی۔ (طبقات ابن سعد ج ۳: ص ۴۲)

معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ کی آب و ہوا کافی دن تک مہاجرین کو راس نہ آسکی۔ بار بار بیمار پڑتے حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی۔

اللهم حبب الينا المدينة كما حبب مكة اواشد وصححها و بارك لنا في صاعها و مدها و حول حماها الى الجحفة

(مسلم ج ۱: ص ۴۴۳) (بخاری ج ۲: ص ۸۴۴)

اے اللہ ہمارے لئے مدینہ ایسا محبوب فرما جیسے مکہ ہمیں محبوب تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس کی آب و ہوا درست فرما۔ اے اللہ ہمارے لئے مدینے کے صاع اور مد میں برکت فرما۔ اور اس کا بخار جحفہ کی جانب منتقل فرما۔

یہ روایت بھی حضرت عائشہؓ سے مروی ہے جو ہشام نے اپنے باپ عروہ کے واسطے سے نقل کی ہے۔ اور ہشام کی ایک اور روایت جو امام مالک نے ہشام سے نقل کی ہے۔ اور جو بخاری ج ۲: ص ۸۴۸ پر بیان کی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مدینہ بیماریوں اور وباؤں کا گھر تھا۔ عام طور سے لوگ بخار میں مبتلا رہتے تھے۔ مہاجرین بھی بخار میں مبتلا ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ ان کے غلام عامرؓ بن فہیرہ اور بلالؓ ایک گھر میں علیحدہ بیمار پڑے تھے۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر ان کی عیادت کے لئے گئی۔ اس وقت تک پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ شدت بخار سے یہ لوگ غفلت میں مبتلا تھے۔ میں ابوبکرؓ کے پاس گئی اور ان سے دریافت کیا ابا کیا حال ہے انھوں نے جواب دیا۔

كل امرى مصبح في اهله والموت ادنى من شراك نعله

ہر آدمی اپنے اہل میں وقت گزارتا ہے اور موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میرے والد کو کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں (گویا بخار دماغ کو چڑھا ہوا تھا) میں ان کے بعد عامر کے پاس گئی۔ ان سے پوچھا عامر کیا حال ہے۔ انھوں نے کہا۔

لقد وجدت الموت قبل ذوقه ان الجبان حتفه من فوقه

كل امرى مجاهد بطوقه كثور يحمى جلده بروقه

میں نے موت سے قبل ہی موت کا مزا چکھ لیا ہے ۔ کیونکہ بزدل ناک کے بل مرتا ہے ہر شخص اپنی طاقت کے مطابق کوشش کرتا ہے جیسے کپڑا انسان کی جلد کو اس کی چمک سے بچاتا ہے ۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں میرا خیال ہے کہ انہیں بھی کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں ۔ بلالؓ کی عادت تھی کہ جب بخار آتا تو وہ گھر کے صحن میں لیٹ جاتے اور زور زور سے چلایا کرتے ۔ اس وقت وہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے

الا لیت شعری هل ابتین لیلة   بواد وحولی اذخر وجلیل

وهل اردن یوما میاہ مجنة   وهل یبدون لی شامة وطفیل

کاش مجھے معلوم ہو کہ میں ایک رات گزاروں گا، اس وادی میں کہ میرے چاروں طرف اذخر گھاس اور جلیل ہوں گے ۔ اور کیا میں اتروں گا مجنہ کے پانیوں پر اور کیا ظاہر ہوں گے میرے سامنے شامہ اور طفیل ۔

بخاری کی اس روایت میں عامر بن فہیرہ کا کوئی حال نہ تھا لیکن امام احمد نے اپنی مسند میں عبداللہ بن عروہ کے حوالے سے عامرؓ کا یہ حال نقل کیا ہے ۔

اب ان ہر دو روایات پر غور کیجئے اور سوچئے کہ گھر میں ام رومانؓ، اسماءؓ موجود ہیں ۔ تیمارداری کی ذمہ داری ام المومنینؓ اٹھا رہی ہیں ۔ کیا اتنی اہم ذمہ داری ایک آٹھ سالہ بچی کے سپرد کی جاسکتی ہے جبکہ گھر میں بڑی عورتیں موجود ہیں ۔ یہ تیمارداری اسی وقت ممکن ہے کہ جب ام المومنینؓ خود جوان ہوں اور ذمہ داریوں کا انہیں پورا احساس ہو ۔ ورنہ آٹھ نو سال کی عمر میں تیمارداری کی خدمات انجام دینا جیسا کہ ابن سعد کی روایات میں آرہا ہے بالکل خلاف عقل ہے ۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد، عامر بن فہیرہ اور بلالؓ کی تمام صورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مع اشعار کے بیان کی اور کہا:

انهم یهذون ومایعقلون من شدة الحمی ۔

لوگ بہک رہے ہیں ۔ انھیں تو بخار کی شدت کے باعث عقل بھی نہیں ۔

اس تمام واقعہ سے یہ بات ثابت ہورہی ہے کہ ام المومنینؓ اھ میں اپنے گھر کی ہوچکیں تھیں ۔ گھر سے اجازت لے کر تیمارداری کے لئے گئیں ۔ پھر واپسی پر تمام اشعار ہو بہو نقل کئے اور بیان کیا کہ یہ اشعار بخار کی شدت میں پڑھ رہے ہیں انھیں تو اپنا ہوش بھی نہیں ۔

ان تمام باتوں کو سمجھنا ایک نو سالہ بچی کا کام نہیں ہے ۔ یہ پختہ عمری کی باتیں ہیں ۔ اور یہ اشعار اور ان کو یاد رکھنا اور انہیں نقل کرنا اسی وقت ممکن ہے جب ام المومنینؓ نے ایک عمر ایسے ماحول میں گزاری ہو ۔ حالانکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ ان کی رخصت نو سال کی عمر میں ہوئی اور وہ نبوت کے بعد وہ پیدا ہوئیں تو اس وقت تک تو گھر کا ماحول بدل چکا تھا ۔ اب وہاں شعر و شاعری کے بجائے قرآن پڑھا جاتا ۔ آخر یہ ماحول انہیں کہاں اور کس وقت میسر آیا ؟ اور اس کا آسان جواب یہی ہے کہ وہ نبوت سے قبل پیدا ہو چکی تھیں ۔ اور دیگر اہل مکہ کی طرح ادب میں ان کا ذہن پختہ ہو چکا تھا ۔ یہ بات ہم آگے بھی پیش کریں گے ۔

بیسویں دلیل

ادب، انساب اور تاریخ میں مہارت

ولی الدین الخطیب مصنف مشکوٰۃ تحریر کرتے ہیں ۔

وکانت فقیھۃ عالمۃ و فصیحۃ فاضلۃ کثیرۃ الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم عارفۃ بایام العرب و اشعارھا

(مشکوٰۃ ص ۶۱۲)

حضرت عائشہؓ ، فقیہہ ، عالمہ ، فصیحہ اور فاضلہ تھیں ۔ بکثرت احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتیں ، زمانہ جاہلیت کی جنگوں اور ان کے اشعار کی بہت ماہر تھیں ۔

ام المومنینؓ کے بھانجے عروہ کا بیان ہے کہ میں نے قرآن ، فرائض ، حلال و حرام ، فقہ ، شعر و شاعری ، طب ، تاریخ عرب اور انساب میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا ۔

البدایہ والنہایہ ج ۸ : ص ۹۲

عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں ام المومنینؓ سب سے زیادہ فقیہہ ، سب سے زیادہ عالم اور سب سے اونچی فکر رکھتی تھیں ۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ : ص ۹۲

حضرت ابو موسیٰ اشعری کا بیان ہے کہ جب ہم صحابہ کو کسی حدیث میں دشواری پیش آتی تو ہم یہ مشکل ام المومنینؓ کے سامنے پیش کرتے اور ہمیں اس مشکل کا آسان حل ان کے پاس ملتا ۔ ترمذی ، البدایہ والنہایہ

ابوالزناد کا بیان ہے کہ میں نے شعر و شاعری میں عروہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ میں نے عروہ سے دریافت کیا کہ آپ کو شعر و شاعری میں یہ کمال کیسے حاصل ہوا تو انھوں نے جواب دیا اپنی خالہ عائشہؓ سے سیکھا۔ کوئی بھی واقعہ پیش آتا ام المومنینؓ اس بارے میں فوراً شعر پڑھ دیتیں۔

موسیٰ بن طلحہ کا بیان ہے کہ میں نے ام المومنینؓ سے زیادہ فصیح البیان کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھا۔ عروہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار ام المومنینؓ سے عرض کیا اے خالہ مجھے آپ کے فقیہہ ہونے پر تعجب نہیں۔ اس لئے کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ ہیں اور ابوبکرؓ کی بیٹی ہیں مجھے اس پر بھی حیرت نہیں کہ آپ اشعار کی حافظہ اور تاریخ میں کامل ہیں کیونکہ آپ ابوبکر کی بیٹی ہیں اور وہ اعلم الناس تھے۔ مگر مجھے آپ کے علم طب پر تعجب ہے کہ آپ نے یہ فن کہاں سے سیکھا۔؟

ام المومنینؓ نے عروہ کے کاندھے پر ہاتھ مارا اے عروہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخر عمر میں بیمار رہتے اور ہر طرف سے آپؐ کے پاس وفود آتے رہتے تو وہ آپؐ کے لئے نسخے بتاتے اور میں ان نسخوں سے آپکا علاج کیا کرتی تھی۔

عربی ادب، شعر و شاعری، انساب، اور تاریخ عرب میں کمال حاصل کرنے کیلئے عمر کا ایک طویل اور ایسا حصہ درکار ہے جس میں سیکھنے والا ایسی باتوں کو سمجھ سکے اور یاد رکھ سکے۔ اور ویسے بھی انساب اور تاریخ عرب خشک مضمون ہے۔

کیونکہ ہشام کی روایت کی رو سے ابھی وہ آٹھ سال کی بچی تھیں کہ ہجرت کا وقوعہ پیش آگیا۔ ابوبکرؓ اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر مدینہ آگئے، جب کئی ماہ بعد بال بچوں کو مدینہ بلایا تو چند روز بعد حضرت عائشہ کی رخصتی عمل میں آگئی۔ اور گویا اس طرح اپنے والد سے استفادہ کا موقعہ ہی نہ ملا۔

مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاغل مکہ کی زندگی سے بالکل مختلف تھے۔ یہاں قرآن، صوم وصلوٰۃ کے مسائل اور ملکی مہمات پیش نظر رہتیں۔ یہاں کا ماحول یہی تھا۔ اس ماحول کا انساب، تاریخ شعر و شاعری سے کوئی دور کا واسطہ نہ تھا۔ حضرت عائشہؓ کو شعر فہمی اور انطباق اشعار کا کامل ذوق اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ایک طویل وقت شعر و شاعری یا بیت بازی میں نہ گزارا جائے۔ عرب شعراء کا بہترین کلام انھیں یاد تھا جو موقع محل کے لحاظ سے فوراً زبان پر آجاتا۔ نثر کا بھی بہترین حصہ آپ کو ازبر تھا۔ ام زرعہ کی حدیث جو مسلم میں موجود ہے ان کے ادب کا شاہکار ہے۔

لہذا یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ ام المومنینؓ نکاح سے قبل عاقلہ اور بالغہ تھیں۔ انھوں نے یہ تمام فنون اپنے والد سے حاصل کئے۔ اور جس وقت آپ مدینہ آئیں اور آپ کی رخصتی عمل میں آئی تو آپ پختہ عمر کی عورت تھیں۔ اور اپنی غیر معمولی قوت حافظہ اور قوت فہم کے سبب انساب عرب، ذوق شعر و شاعری اور تاریخ میں کمال حاصل کر چکی تھیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جوتا درست فرما رہے تھے۔ اور میں دیکھ رہی تھی۔ آپؐ کی نظر جو مجھ پر پڑی تو سوال فرمایا کیا بات ہے بڑے غور سے دیکھ رہی ہو میں نے عرض کیا ابو بکر الہذلی کے اشعار آپؐ پر صادق آتے دیکھ رہی ہوں وہ خود زندہ ہوتا تو اپنے اشعار کا مصداق آپؐ سے زیادہ کسی کو نہ پاتا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ وہ کون سے اشعار ہیں۔

ام المومنینؓ نے عرض کیا۔

ومبرأ من كل غير حيضة وفساد مرضعة وداء معضل

فاذا نظرت الى اسرة وجهه برقت كبرق العارض المتهلل

وہ محفوظ ہے ہر نجاست سے اور دودھ پلانے والی کی خرابی سے اور ہر مہلک بیماری سے۔ جب تو دیکھے اس کے چہرے کے خطوط کی طرف تو اس طرح روشن ہوتے ہیں کہ روشن گال چمکتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خوشی سے جھوم اٹھے اور فرمایا تمہارے اس بر محل شعر کے منطبق کرنے سے مجھے بہت سرور حاصل ہوا۔ یعنی ام المومنینؓ زاہد خشک نہ تھیں۔ اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زاہد خشک تھے۔

ان کے بھائی عبد الرحمن کا انتقال ہو گیا۔ بے ساختہ زبان سے یہ اشعار نکلے۔

وكنا كندماني جذيمة حقبة من الدهر حتى قيل لن يتفرقا

فلما تفرقنا كاني ومالكا على طول اجتماع لم نبت ليلة معاً

ترجمہ:۔ ہم دونوں کی ایسی مثال تھی جیسے جذیمہ بادشاہ کے دو مصاحبوں کی کہ عرصہ دراز تک ان کے ربط و اتحاد کا یہ حال رہا کہ لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ ان میں کبھی جدائی ممکن ہی نہیں۔

لیکن جب ہم میں جدائی ہوئی تو باوجود اس کے کہ میں اور مالک طویل عرصے تک یکجا رہے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک رات بھی اکٹھے نہیں رہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شعر و ادب، تاریخ اور انساب سے متعلق ام المومنینؓ کے جو اقوال کتب حدیث، تاریخ اور کتب ادب میں بھرے پڑے ہیں اور جن کے بارے میں مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے دور کی سب سے بڑی محدثہ، سب سے بڑی فقیہہ، اور سب

سے بڑی مفسرہ سب سے بڑی ادیبہ، سب سے بڑی خطیبہ، سب سے بڑی مورخہ اور سب سے ماہر انساب تھیں، ان کے اس علم و فن پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ پرکاری دکھائی گئی کہ رخصتی کے وقت ان عجمی راویوں نے ان کے ہاتھوں میں گڑیاں تھمائیں اور کچھ اس طرح تسلسل کے ساتھ تھمائیں کہ وہ ان کی زندگی کا ایک لازمہ بن گئیں۔ حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو ایک طاق میں گڑیاں سجی ہوئی تھیں۔ جب کہ انھیں حضورؐ کی زوجیت میں آئے ہوئے نو سال ہو چکے تھے۔ یعنی اہل بیت بننے کے باوجود انھوں نے گڑیاں کھیلنے کے علاوہ کوئی کام نہ کیا۔ یہ ہے ایک عجمی سازش جو ہشام کے ہاتھوں انجام کو پہنچی۔ حتیٰ کہ ام المومنینؓ کے ہاتھوں میں پردار گھوڑا تھمایا گیا۔ تاکہ آئندہ چل کر ذوالجناح کی تاریخ مہیا کی جاسکے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ زوجیت رسول میں آنے کے بعد ام المومنینؓ اس منزل پر پہنچیں کہ دنیا کے سامنے فقہی اور محدثانہ اصولوں کی بنیاد رکھ گئیں بلکہ صحابہ کرامؓ نے ان اصولوں کو تسلیم کیا۔

ام المومنینؓ نے یہ فقہی اصول پیش فرمایا کہ جو روایت خلاف قرآن ہو وہ ہرگز قابل قبول نہیں یا اس کی تاویل کی جائے گی یا اس کا رد کیا جائے گا۔
مثلاً غزوہ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نعشوں کو ایک گڑھے میں ڈلا اور گڑھے کے کنارے کھڑے ہو کر فرمایا۔

ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا تم سے تمہارے پروردگار نے جو وعدہ کیا وہ تم نے حق پالیا۔؟

صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ مردوں کو پکارتے ہیں۔ آپؐ نے جواب دیا **ما انتم باسمع منھم ولکن لا یجیبون** تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن یہ جواب نہیں دیتے

یہ سنکر ام المومنینؓ نے ارشاد فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ہرگز نہیں فرمائی تھی۔ بلکہ آپؐ نے فرمایا تھا۔

انھم لیعلمون الان ما کنت اقول لھم حق۔ انھوں نے اب تو وہ بات حق جان لی ہوگی جو میں ان سے کہتا تھا۔

اور آپؐ ایسی بات فرما بھی نہ سکتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

انک لا تسمع الموتی۔ (بخاری ج ا صفحہ نمبر ۱۸۳) یقیناً آپؐ مردوں کو نہیں سنا سکتے

اسی طرح جب حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت یہ حدیث بیان فرمائی ۔

ان المیت یعذب ببعض بکاء اہلہ علیہ یقیناً مردے کے رشتہ داروں کے رونے کی وجہ سے مردے کو عذاب دیا جاتا ہے تو حضرت عائشہؓ نے یہ بات سن کر ارشاد فرمایا:

یرحم اللہ عمر واللہ ماحدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یعذب المومن ببکاء اہلہ علیہ ولکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ لیزیدہ الکافر عذابا ببکاء اہلہ علیہ وقالت حسبکم القرآن ولا تزر وازرۃ وزر اخری (بخاری ج ۱: ۱۷۲)

(مسلم ج ۱: ۳۰۳)

اللہ تعالیٰ عمرؓ پر رحم فرمائے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان نہیں کی تھی کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اس کے گھر والوں کے رونے کے باعث عذاب دیتا ہے ۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کافر کے عذاب میں اس کے گھر والوں کے رونے کے سبب اضافہ فرماتا ہے ۔ اور تمہارے لئے قرآن کافی ہے ۔ " اور ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا ۔ "

ایک اور روایت میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمائی ہیں کہ دراصل واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودیہ مرگئی تھی ، اس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جانب اشارہ کرکے فرمایا ۔

انھم لیبکون علیھا وانھا لتعذب فی قبرھا ۔ بخاری ج ۱ ۱۷۲ مسلم ج ۱/ ص ۳۰۳

یہ لوگ اس پر رو رہے ہیں ۔ حالانکہ اسے قبر میں عذاب دیا جارہا ہے ۔

ان ہر دو واقعات پر ام المومنینؓ نے جو تبصرہ فرمایا اس سے فقہ اور حدیث کے جو اصول ہمارے سامنے آئے وہ حسب ذیل ہیں ۔

۱ جب بھی کوئی حدیث خلاف قرآن ہوگی خواہ وہ کتنے اعلیٰ درجہ کی صحیح کیوں نہ ہو تو یا تو اس روایت کا کوئی ایسا مفہوم مراد لیا جائے گا جو خلاف قرآن نہ ہو ورنہ اس حدیث کا انکار کر دیا جائے گا ۔ فقہ حنفیہ کا بھی یہی اصول ہے ۔

۲ اس حدیث کے روات کتنا ہی اعلیٰ مقام رکھتے ہوں ان کی شخصیت کو ملحوظ خاطر نہ رکھا جائے گا ۔ کیونکہ بعد کی کوئی شخصیت ہرگز بھی حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مقام کو نہیں پہنچ سکتی جب ام المومنینؓ نے ان حضرات کی شخصیات کو نظر انداز کرکے اصول کو پیش نظر

رکھا تو ایک اصول یہ بھی سامنے آیا کہ جب بھی کسی شخصیت کا تقابل اصول سے ہو گا شخصیت کو نظر انداز کر دیا جائے گا اور اصول کو قبول کیا جائے گا اور اسلام میں لاقانونیت نہ چلے گی ورنہ ہر شخصیت کے لئے ایک نیا قانون وضع کرنا ہو گا۔ ہماری ملکی سیاست میں اسی شخصیت پرستی کے باعث لاقانونیت رائج ہے اور مذہبی طور پر بھی اولیاء پرستی اور اکابر پرستی کے نام سے یہی شخصیت پرستی دماغ پر چھائی ہوئی ہے۔ جس کے خلاف سب سے اول علمبردار ام المومنین حضرت عائشہؓ ہیں گو آج جو فتنہ عام مسلمانوں کو گھیرے ہوئے ہے ام المومنین بھی نگاہیں عمرؓ کے زمانے میں اسکا ادراک کر چکی تھیں میرے ماں باپ ام المومنینؓ پر قربان کہ جن کے ہاتھوں میں ہمارے راویوں نے کڑیاں تھمائیں تھیں انکی نظر کتنی گہری تھی۔ دنیا کتنی بھی تبدیل ہو جائے اور کتنے بھی فتنے پھیل جائیں لیکن اگر کسی قوم کو ان فتنوں سے نجات حاصل کرنی ہے تو اسے ام المومنینؓ کے اصول کو پیش نظر رکھنا ہو گا۔ اور جو قوم ام المومنینؓ کے اس اصول کو ترک کرے گی وہ قوم ہمیشہ ذلیل و خوار ہو گی۔

۳ جب کوئی شخصیت ایسی بات کا دعویٰ کرے گی جو خلاف قرآن یا خلاف اصول ہو گی تو تصور کیا جائے گا کہ ان حضرات کو غلط فہمی ہوئی یا واقعہ کو صحیح طور پر محفوظ نہیں رکھ سکے یا واقعہ کی اصل حیثیت کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

۴ اصولی معاملات اور عقائد کے سلسلہ میں ہدایت کے لئے قرآن کافی ہے۔ اس کیلئے روایات کے سہاروں کی کوئی ضرورت نہیں۔

۵ جب حضرت عمرؓ کی شخصیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن کے خلاف کوئی شئے اختیار نہیں کی جا سکتی جب کہ حدیث بھی ان کی تائید کر رہی تھی باالفاظ دیگر وہ اس بات کا دعویٰ کر رہے تھے جو ان کے خیال میں حدیث میں پائی جاتی تھی تو کسی ایسی شخصیت کی اندھی تقلید کیسے اختیار کی جا سکتی ہے جو حضرت عمرؓ سے کروڑہا درجہ پست ہو۔ اور اگر اتفاق سے روایت میں ضعف بھی پایا جاتا ہو تو پھر وہ روایت پتھر پر دے مارنے کے قابل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب یہ مذکورہ حدیث بیان کی تو ام المومنینؓ نے ارشاد فرمایا

یغفر اللہ لابی عبدالرحمان اما انہ لم یکذب و لکنہ نسی او اخطا مسلم ج ا ص ۳۰۳

اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمن کی مغفرت فرمائے وہ جھوٹ تو نہیں بولتے لیکن بھول گئے یا انھوں نے غلطی کی۔

ام المومنینؓ کے اس ارشاد سے ایک اور اصول سامنے آگیا

۶ خواہ راوی کتنا بھی ثقہ اور معتبر ہو حتیٰ کہ صحابہ کرامؓ جو عادل ہیں جھوٹ نہیں بولتے لیکن وہ غلطی، بھول اور کم فہمی وغیرہ میں مبتلا ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں ان سے کوئی پاک نہیں لہذا یہ کوئی ضروری نہیں کہ اگر روای ثقہ ہو اور سچا تو اس کی ہر روایت صحیح ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی کوئی روایت غلطی پر مبنی ہو یا ہو سکتا ہے وہ بھول گیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ اس نے پوری بات ہی نہ سنی ہو۔ جب صحابہؓ کے بارے میں یہ امکانات پائے جاتے ہیں تو ہشام کو ان امور سے پاک سمجھنا اس سے جہاں عصمت انبیاء پر حرف آتا ہے۔ وہاں صحابہ کرامؓ کی عزت پر بھی حملہ ہوتا ہے۔ محدثین ایسی روایت کو منکر کہتے ہیں اسی لئے محدثین میں منکرات سفیان بن عیینہ، منکرات حماد بن سلمہ اور منکرات شریک بن عبداللہ المدنی مشہور ہیں۔

اسی باعث محدثین و فقہاء اس پر متفق ہیں کہ ہر انسان کے ساتھ بھول چوک اور خطاء لاحق ہے یہ بھی ممکن ہے کہ صحابی سے نقل الفاظ میں غلطی واقع ہوئی ہو۔ یا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہو یا پورا واقعہ نہ دیکھا ہو اور اس سے غلط نتیجہ اخذ کر لیا ہو۔ یا ادھوری بات سنی ہو اور اس پر اپنی ایک رائے قائم کر لی ہو۔ یا واقعہ کا کچھ حصہ دیکھ کر مغالطہ کھایا ہو۔ یہ تمام احتمالات جب صحابہ میں پائے جاتے ہیں تو تمام راویوں میں سلسلہ بہ سلسلہ یہ احتمالات پائے جائیں گے۔ اور اگر راوی میں کسی قسم کی خامی بھی پائی جاتی ہے تو ان احتمالات میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ لہذا احادیث کتنی بھی اعلیٰ سند کے ساتھ مروی ہوں وہ سب ظنی کہلائیں گی کیونکہ اس نقل روایت میں ہر قدم پر ظن ہے۔ فرق صرف اتنا ہو گا کہ کسی روایت میں ظن کم ہو گا اور کسی میں زیادہ۔ مثلاً متواتر میں ظن صرف برائے نام ظن رہ جاتا ہے لیکن خبر واحد میں ہر قدم پر ظن ہے جیسا کہ آپ ہشام کی روایت میں دیکھ چکے ہیں۔

اسی طرح جس حدیث کی سند میں راویوں کی تعداد زیادہ ہوگی اتنے ہی ظن بڑھتے جائیں گے اور جتنی راویوں کی تعداد کم ہوگی اتنا ظن بھی کم ہو گا۔ اسی لئے محدثین کرام اس حدیث کو جس کی سند میں راوی کم ہوں اسے عالی اور جس میں زیادہ ہوں اسے سافل (نچلے درجہ کی) کہتے ہیں۔

مثلاً امام بخاری ایک روایت اس سند سے نقل کریں **حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان عن الزھری عن عروۃ عن عائشہ** اس سند میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بخاری کے مابین پانچ راوی ہیں۔ اس کے برعکس دوسری روایت اس طرح پیش کریں **حدثنا ابو عاصم قال حدثنا الضحاک عن سلمۃ بن الاکوع**۔ اس سند میں صرف تین راوی ہیں۔ اس میں پہلی کے مقابلہ پر ظن کم ہیں۔

لہذا یہ روایت عالی اور پہلی روایت سافل کہلائے گی یہ بخاری کی ثلاثیات میں سے ہے اور بخاری کی ثلاثیات جن کی تعداد صرف تیئس ہے باقی بخاری کی تمام روایتوں سے اعلیٰ ہیں ۔ اسی اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے بخاری کی جن احادیث کی سند میں چار راوی ہوں گے وہ اس روایت کے مقابلہ میں اعلیٰ ہوگی جس کی سند میں پانچ روای ہوں گے ۔

قارئین کرام جب آپ کے سامنے یہ اصول آگیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ جب کسی روایت کو نقل کرتے ہیں تو ان کی روایت کی سند میں بعض اوقات دو راوی ، بعض اوقات تین راوی اور خاص طور پر امام ابو حنیفہؒ کی سند میں بعض اوقات صرف ایک راوی یعنی صحابیؓ ہوتا ہے ۔ اس طرح ان حضرات کی کل روایات بخاری کے مقابلہ میں عالی ہوں گی ۔ بلکہ بخاری کی جو اعلیٰ روایت ہے وہ ان حضرات کی سافل ہے ۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان حضرات کی سند میں کوئی اور خامی پائی جاتی ہو ۔ ورنہ ان حضرات کی تمام مرویات ثلاثی ہیں اور یہ ان حضرات کی سندات کا ادنیٰ درجہ ہے اور ثلاثی کی منزل تک پہنچنا بخاری کا اعلیٰ درجہ ہے ۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے اس مختصر سے جملے میں جہاں ایک فقہی اصول وضع فرمایا ہے وہاں حدیث کے سلسلہ میں بھی ایک انتہائی اہم اصول بیان فرمادیا ۔ یہ ام المومنینؓ کی ذات گرامی ہے جو انھوں نے کتاب و سنت کے فرق کو واضح فرمایا ۔ اور دنیا کے سامنے یہ ثابت کیا کہ قطعی شئے کی موجودگی میں ظنیات پیش نہیں کی جاسکتیں ۔ اور اسلام میں صرف کلام اللہ قطعی ہے اور حدیث ظنی ہے کیونکہ وہ اشخاص کے ذریعہ مروی ہوتی ہے اور اشخاص میں فلاں فلاں مرض ان کا فطری خاصہ ہے ۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی انسان ان خامیوں سے پاک ہو ۔ لہذا ان اشخاص کی ذات پر یقین کسی طرح حاصل نہیں ہوسکتا ۔ اور جو لوگ شخصیات کو دیکھ کر اپنے دین و دنیا کی بنیادیں قائم کرتے ہیں ۔ وہ کتاب اللہ کو پس پشت ڈ لتے ہیں اور نتیجتاً ایک نہ ایک روز کھلی گمراہی میں مبتلا ہوجائیں گے ۔ ہم نے یہ سب کچھ تحریر کرنے کے بعد سید سلیمان ندوی کی سیرت عائشہؓ کا مطالعہ کیا ۔ انھوں نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۲۵ پر مختصراً بات تحریر کی ہے ۔ ہاں ہمیں یہ افسوس ضرور ہے کہ سید صاحب جیسے محقق کے حلق سے نو سالہ عمر کی کڑوی و کسیلی گولی اتر گئی ۔ اور جس کے حلق سے یہ گولی اتر جانے تو پھر اس کا اثر ختم کرنے کے لئے بہت سے انجکشنوں کی ضرورت ہوتی ہے ۔ خود ہم پر سے اس گولی کا اثر پچاس سال بعد دور ہوا ۔

اس کی ایک اور مثال فاطمہ بنت قیس کی حدیث ہے ۔ جس میں انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ مطلقہ کو نہ رہائش کے لئے مکان ملے گا اور نہ نفقہ ملے گا ۔ جس کے رد کیلئے امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے یہ خطبہ دیا کہ ہم ایک عورت کے کہنے پر کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ

سکتے ۔ یہ واقعہ ہم نے تفصیل کے ساتھ اپنی قدیمی کتاب "اصول فقہ" اور جدید کتاب "ایصال ثواب قرآن کی نظر میں" بیان کیا ہے ۔ یہاں صرف ام المومنینؓ کے الفاظ بیان کرنا مقصود ہیں

۔ام المومنینؓ کے الفاظ ہیں ۔

مالفاطمة بنت قیس خیران تذکر هذا الحدیث ۔ بخاری ج ۱ص ۸۰۲ج ۲ص ۸۰۳

فاطمہؓ بنت قیس اگر یہ حدیث بیان کرتی ہے تو اس میں کوئی خیر نہیں ۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

اما انه لا خیر لها ذکر ذلک (بخاری ج ۲ص ۸۰۲ مسلم ج ۱ص ۴۸۵)

بہر صورت اس کے لئے یہ روایت بیان کرنے میں کوئی خیر نہیں ۔

قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ ام المومنینؓ نے فاطمہ بنت قیس سے مخاطب ہو کر فرمایا: ۔

الا تتقی اللہ ۔ (بخاری ج ۱ص ۸۰۳) کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتی

اب اگر ہم وہ تمام روایات پیش کریں جن پر ام المومنینؓ نے کلام فرمایا ہے تو وہ خود ایک کتاب ہوجائے گی ۔ لہذا ان تفصیلات کے لئے ہماری کتاب "سیرت عائشہؓ"[لے] کا انتظار فرمائیں ۔

ہمیں یہ قبول ہے کہ ہشام ثقہ ہیں بخاری کے راوی ہیں بلکہ آسمان سے پلے پلائے نازل ہوئے تھے ۔ لیکن ہمارا دعوی یہ ہے کہ جناب ہشام ہندسے کی وبائی بھول گئے یا دماغی خرابی کے دور میں عجمیوں نے ان کی زبان سے جو کہلوانا چاہا وہ کہتے چلے گئے اور سچی بات تو یہ ہے کہ قول ہشام سچ نہیں ۔ اور اس لئے بھی سچ نہیں کہ ام المومنینؓ کا یہ ادب ، تاریخ ، علم الانساب ، محاورات عرب اور خطابت جیسے اہم مضامین پر نو سال کی عمر میں قدرت حاصل کر لینا بعید از عقل ہے ۔ اتنی کم عمری میں علوم لطیف تعویز گھول کر پلا نہیں دیئے گئے تھے ۔ اور اگر ایسا ممکن ہے تو ان کراماتی بزرگ کا اتا پتہ ہمیں بھی بتا دیا جائے ۔ جو ایک نظر میں ہماری خواہش کے مطابق ہماری کایا پلٹ کر سکے اور ہمیں بیٹھے ہی بیٹھے انگریزی زبان پر عبور حاصل ہوجائے تاکہ اس زبان میں اسلام کے خلاف جو زہر فشانیاں کی گئی ہیں اس کا ہم انگریزی میں جواب دے سکیں ۔ ہے ایسا کوئی صاحب کرامت ولی ؟ ۔ ہم بھی کھوج میں مشغول ہیں قارئین کرام بھی کھوج لگائیں ۔

اکیسویں دلیل

ایک اصول یہ ہے کہ جب عورت جوان ہوتی ہے تو شادی کے کچھ عرصہ بعد اولاد کی تمنا شروع ہوجاتی ہے ۔ یہ ایک ایسا فطری جذبہ ہے جس کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا ۔ اور یہ جذبہ جسے اردو زبان میں مامتا کا جذبہ کہا جاتا ہے کبھی کسی کمسن لڑکی میں پیدا نہیں ہوتا ۔ جیسے

[لے] علامہ مقدم اپنی مسلسل بیماری کی وجہ سے کتاب "سیرت عائشہؓ" مکمل نہ کر سکے ۔ اس لئے وہ اشاعت پذیر نہ ہوسکی ۔

کبھی کسی کم عمر لڑکے کو باپ بننے کی تمنا پیدا نہیں ہوتی۔

عرب میں ایک دستور یہ تھا کہ جب کوئی مرد صاحب اولاد ہوتا تو بیٹے کے نام پر اپنی کنیت رکھتا۔ اور عام طور پر یہ کنیت پہلی اولاد کے نام پر رکھی جاتی جیسے ابو طالب کہ اس کا نام عبد مناف تھا اور طالب اس کا بیٹا تھا۔ ابو القاسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ہے آپؐ کے پہلے صاحبزادے کا نام قاسم تھا۔ ابو الحسن حضرت علی کی کنیت ہے جو ان کے صاحبزادے حضرت حسنؓ کے نام پر ہے۔

اسی طرح جب کسی عورت کی شادی کے بعد بچہ پیدا ہو تو اس کے نام پر اپنی کنیت رکھتیں اور اس سے متعارف ہوتیں۔ بلکہ کنیت سے ہر شخص کو پتہ چل جاتا کہ یہ صاحب اولاد ہے جیسے ام المومنین ام حبیبہؓ، ام المومنینؓ ام سلمہؓ اور ام سلیمؓ وغیرہ۔

کنیت سے آدمی کی حیثیت قائم ہو جاتی ہے جب اسے کنیت سے پکارا جاتا ہے تو اسے احساس پیدا ہوتا ہے کہ میں باپ ہوں اور باپ ہونے کے باعث مجھ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اسی طرح ماں کنیت سے پکاری جاتی ہے یعنی جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلانے کی ماں تو اس عورت کو اپنے ماں ہونے کا احساس پیدا ہوتا ہے اور اس کے جذبہ ماسا کو تسکین ملتی ہے۔

اور ہر شادی شدہ عورت کو چند ماہ بعد یہ تمنا شروع ہو جاتی ہے کہ کاش وہ ماں ہوتی۔ اور یہ تمنا کسی کمسن بچی کو پیدا نہیں ہوتی۔ اور جب اس عورت کے خود اولاد نہیں ہوتی تو وہ اپنی تمنا کی تسکین کیلئے دوسرے کے بچے کو گود لیتی ہے تاکہ وہ اسے ماں کہے اور اسطرح اس کے فطری جذبہ کی تکمیل ہو۔

حضرت عائشہؓ کے خود کوئی اولاد نہیں ہوئی لیکن ایک روز فطری جذبہ سے مجبور ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ آپؐ کی تمام بیویوں نے اپنے بیٹوں کے نام سے اپنی کنیتیں رکھ لیں، میں کس طرح اپنی کنیت رکھوں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ **فاکتنی بابنک عبداللہ۔**
اپنے بیٹے عبداللہ کے نام پر کنیت رکھ لے۔

عبداللہ سے مراد عبداللہ بن زبیر ہیں۔ اسی لئے ام المومنینؓ کی کنیت ام عبداللہ ہے۔
ابو داؤد ص ۶۷۹: ابن ماجہ مترجمہ ج ۲: ص ۲۱۶ طبقات ج ۸ ذکر عائشہ۔

سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں۔

عبداللہ سے مقصود عبداللہ بن الزبیر ہیں جو حضرت عائشہؓ کے بھانجے اور حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر کے صاحبزادے ہیں۔ ہجرت کے بعد یہ اولین فرزند اسلام تھے۔ حضرت عائشہؓ نے ان کو متبنیٰ کیا تھا اور ان کو دل سے چاہتی تھیں۔ وہ بھی ماں سے زیادہ ان سے محبت کرتے تھے۔

ان کے علاوہ حضرت عائشہ نے اپنی آغوش تربیت میں اور بھی بچوں کی پرورش کی۔ (موطا کتاب الزکوۃ) خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ایک انصاریہ لڑکی کی پرورش اور شادی کا ذکر احادیث میں ہے۔ (مسند احمد ج ۶: ۲۲۹)

مسروق بن الاجدع۔ (تذکرۃ الحفاظ) عمرہ بنت عائشہ، عائشہ بنت طلحہ، عمرہ بنت عبدالرحمن انصاریہ، اسماء بنت عبدالرحمن بن ابی بکر عروۃ بن الزبیر، قاسم بن محمد اور ان کے بھائی اور عبداللہ بن یزید وغیرہ حضرت عائشہ کے پروردہ تھے۔ محمد بن ابی بکر کی لڑکیوں کو بھی خود پالا تھا۔ ان کی شادی و بیاہ خود کیا کرتی تھیں۔ (سیرت عائشہ ص ۱۸۲)

صحیح بخاری میں ہشام نے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے کہ [redacted] نے ایک لڑکی کی شادی ایک انصاری سے کی۔ (بخاری ج ۲: ص ۷۷۵)

حضرت عائشہؓ نے اپنے بھانجے کو بیٹا بنا لیا تھا۔ اسی باعث حضرت اسماءؓ نے اپنے بیٹے کے نام پر کنیت نہیں رکھی۔ اور چونکہ ام المومنینؓ اول ہی سے عبداللہ کو بیٹا کہا کرتی تھیں اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اپنے بیٹے کے نام پر کنیت رکھ لے۔ اس طرح آپؓ کے اس جذبہ مادریت کی تسکین ہو گئی جو ہر جوان عورت کی تمنا ہوتی ہے، جو خود اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اس وقت جوان تھیں اور عبداللہ، ہشام کی روایت کی رو سے ان سے صرف آٹھ سال چھوٹے تھے۔ ایسی صورت میں ان کو چھوٹا بھائی تو کہا جاسکتا تھا بیٹا ہرگز نہیں کہا جاسکتا تھا یہ تمام صورت حال اس امر کو ثابت کر رہی ہے کہ وہ جوان العمر تھیں۔ اور ان کا فطری جذبہ اولاد کا متمنی تھا۔ اسی لئے اپنے بھانجے کو بیٹا بنایا اور اولاد نہ ہونے کے باعث متعدد لڑکیوں کی پرورش کرتی رہیں۔

بائیسویں دلیل

بشر بن عقربہ سے روایت ہے کہ میرے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے، میں بیٹھا رو رہا تھا اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا

اما ترضی ان اکون اباک و عائشۃ امک

کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ میں تیرا باپ بنوں اور عائشہ تیری ماں بنے۔

آپ غور فرمایئے کہ دس سالہ کمسن بچی کے بارے میں یہ فرمانا کہ وہ تیری ماں بنے اور میں تیرا باپ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ جملے نکلنا ممکن ہے؟ نہیں تاوقتیکہ لڑکی ام المومنین کی عمر زیادہ نہ ہو ورنہ بشر بھی چھ سات سال کے بچہ ضرور ہوں گے۔ یعنی دس سالہ لڑکی سات سالہ بچہ۔ یہ تاریخ کا ایک بدترین مذاق ہو گا۔ ہمارے نظریہ کے لحاظ سے

ام المومنینؓ کی عمر جنگ احد کے وقت کم از کم اکیس سال تھی۔

تیئسویں دلیل

کیا عرب میں کمسن لڑکیوں کی شادی کا رواج تھا؟

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عربوں میں اور علی الخصوص اس وقت میں بالغ لڑکی کے نکاح کا رواج تھا یا نہیں؟

جب ہم تاریخ عرب پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہمیں تاریخ عرب میں قبل از اسلام اور بعد از اسلام اس کی کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی۔ بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں جن کنواری لڑکیوں کی شادیاں ہوئیں وہ سب پختہ عمر کی لڑکیاں تھیں۔ اور کوئی بھی سمجھ دار ماں لڑکی کے بالغ ہوتے ہی اس کی شادی پر فوری تیار نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر لڑکی خود کم عمر نا سمجھ ہوگی تو ایسی عمر میں اس کے جو اولاد ہوگی وہ اسے کیسے سنبھالے گی۔ اور نتیجتاً اس کی یا تو صحت خراب ہو جائے گی یا اولاد پر اسے جتنی توجہ دینی چاہیئے وہ توجہ نہ دے سکے گی۔

ہر مہذب معاشرہ میں یہی رواج ہوتا ہے کہ لڑکیوں کی شادی ایسی عمر میں کی جائے کہ ان میں شعور و احساس پیدا ہو گیا ہو۔ اور یہ شعور اٹھارہ سال کی عمر سے شروع ہوتا ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یہاں تک فرماتے ہیں کہ بلوغ کی حد اٹھارہ سال ہے۔ اور ہمارا تصور یہ ہے کہ اگر کوئی لڑکی تیرہ چودہ سال کی عمر میں جسمانی طور پر بالغ ہو جائے لیکن اٹھارہ سال سے قبل وہ ہرگز بالغ العقل نہیں ہوتی۔ یعنی اس کا لڑکپن نہیں جاتا۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادیوں کی شادیاں انکی پختہ عمری میں فرمائیں۔ اور چونکہ ہجرت مدینہ سے قبل کے واقعات پورے طور پر تاریخ میں نہیں آتے۔ اس لیے ہم آپؐ کی ان صاحبزادیوں کی عمر کے سلسلہ میں کچھ نہیں کہہ سکتے جن کی شادی مکہ معظمہ میں ہوئی۔ لیکن ہجرت مدینہ کے بعد آپؐ نے دو صاحبزادیوں کی شادیاں فرمائیں اور دونوں کی شادی پختہ عمری میں کی۔

حضرت فاطمہؓ کا نکاح

حضرت فاطمہؓ کا نکاح بقول بعض مورخین سن ۲ شوال میں اور بقول بعض مورخین محرم سن ۳ ہجری میں ہوا۔ اس وقت ان کی کیا عمر تھی۔؟ تو محدثین و مورخین اس پر متفق ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کی پیدائش اس وقت ہوئی جب کفار نے خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا۔ اسوقت نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس (۳۵) سال تھی۔ یعنی نبوت سے پانچ سال قبل۔ اس طرح ہجرت مدینہ کے وقت حضرت فاطمہ کی عمر اٹھارا سال اور شادی کے وقت بیس اکیس سال بنتی ہے۔

یہاں ایک لطیفہ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ حضرت عائشہؓ سے پانچ سال بڑی تھیں۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۳۷۷)

دوسری جانب حافظ صاحب اس کے زبردست حامی ہیں کہ ام المومنین کی رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی۔ لیکن اگر ان کی اس بات کو پیش نظر رکھا جائے کہ حضرت عائشہؓ حضرت فاطمہؓ سے پانچ سال چھوٹی تھیں اور حضرت فاطمہؓ نبوت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں تو ام المومنینؓ کی پیدائش اس سال ہوئی جس سال آپؐ مبعوث ہوئے۔ اس طرح ام المومنینؓ کی رخصت کے وقت عمر پندرہ سال بنتی ہے نو سال آخر کیسے ہے؟

سبائی برادری اس امر کی دعوایدار ہے کہ حضرت فاطمہؓ نبوت کے پانچ سال بعد پیدا ہوئیں اور اس طرح ان کی عمر نکاح کے وقت آٹھ نو سال تھی۔ بلکہ اسی باعث ان کا فقہی نقطہ نگاہ یہ ہے کہ جب لڑکی کی عمر نو سال ہو جائے تو اس کی شادی کر دی جائے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ اپنی اس مفروضہ داستان پر پردہ ڈالنے کے لئے ام المومنینؓ کی عمر کا شاخسانہ کھڑا کیا گیا۔ اور سنی حضرات جو ہمیشہ ان کے تخیلات پھیلانے میں پیش پیش رہے۔ انھوں نے اس روایت کی ترویج کا کام انجام دیا۔ اور جب اہل سنت نے اسے قبول کر لیا تو یہ کہہ کر مذاق اڑانا شروع کیا کہ صاحب جس لڑکی نے گڑیاں کھیل کر وقت گزارا ہو وہ دین کو کیا سمجھے گی؟۔

حضرت ام کلثوم

حضرت ام کلثومؓ کا نکاح حضرت رقیہؓ کے بعد حضرت عثمانؓ سے ربیع الاول سن ۳ ہجری میں ہوا۔ اگر حضرت ام کلثومؓ حضرت فاطمہؓ سے چھوٹی تھیں جیسا کہ فاطمہؓ کے بعد ان کے نکاح سے ثابت ہوتا ہے تو ان کی عمر انیس سال کے قریب بنتی ہے اور اگر ام کلثومؓ بڑی تھیں جیسا کہ عام مورخین کہتے ہیں تو ان کی عمر کسی حال میں تئیس سال سے کم نہیں بنتی اور وہ اس وقت کنواری تھیں۔

حیرت ہے کہ آپؐ اپنی بیٹیوں کی شادیاں اس وقت فرمائیں جب ان کی عمر بیس سے تجاوز ہو جائے جیسا کہ آج کل تعلیم یافتہ لڑکیوں کی شادیاں ہوتی ہیں۔ لیکن جب آپ اپنی شادی فرمائیں تو نو سالہ لڑکی سے کریں۔ آخر ان بیٹیوں کو اسے ماں کہتے ہوئے کیا محسوس ہوتا؟

حضرت اسماءؓ

حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن ہیں اور ان سے دس سال بڑی ہیں ۔ ان کا نکاح حضرت زبیر سے ہجرت مدینہ سے چند ماہ قبل ہوا ہجرت کے وقت وہ حاملہ تھیں ۔ ہجرت مدینہ کے وقت ان کی عمر ستائیس سال تھی اور نکاح کے وقت پچیس سال ۔ یعنی ابوبکر نے بڑی بیٹی کو چھبیس سال بٹھائے رکھا اور چھوٹی بیٹی ان پر اتنی گراں تھی کہ اسے نو سال کی عمر میں رخصت کر دیا ع ۔

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

یہی صورت حال ہمیں اس وقت کے پورے معاشرے میں نظر آتی ہے اور ہمیں کوئی ایسی لڑکی نظر نہیں آتی جس کی عمر شادی کے وقت اٹھارہ سال سے کم ہو ۔ بلکہ آج تک ہمیں اس کی نظیر نہیں ملی ۔ یہ کہانی ام المومنینؓ ہی کے لئے کیوں مخصوص کی گئی ۔ اس کے پس پردہ کون سی سازش کارفرما ہے ۔ ؟ ۔ کاش اس کی کوئی نقاب کشائی کر سکے ۔

ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ام المومنینؓ کی مدوت ملت سبائیت کی اساسی بنیاد ہے حتی کہ جناب غائب کی آمد کا مقصد اولین صرف تین اشخاص کی ذات ہے ۔

ابوبکرؓ و عمرؓ اور ام المومنین عائشہؓ

چوبیسویں دلیل
اجماع عملی

ہشام کی اس نام نہاد روایت کے خلاف امت مسلمہ کا عملی طور پر ہمیشہ سے اجماع رہا ہے ۔ آج تک اس روایت پر کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ کسی نے اپنی نو سالہ لڑکی کو اس کام کے لئے پیش کیا ۔ اور نہ آج تک اتنی عمر کی لڑکی کو زوجیت کے لئے قبول کیا گیا ۔

حاصل کلام یہ کہ زبانی طور پر تو ہر فرد بشر کی زبان پر یہ روایت نظر آتی ہے ۔ لیکن جب عمل کرنے کا معاملہ پیش آتا ہے تو آج تک اس روایت پر کسی نے عمل نہیں کیا اور سب اس روایت سے منحرف نظر آتے یہ عجیب قسم کا ایمان ہے کہ اس پر عمل کرنے کے لئے کوئی بھی تیار نہیں ۔ بالفاظ دیگر یہ روایت کسی کو بلحاظ عمل قبول نہیں لیکن لکیر پیٹنا ہماری عادت ثانیہ بن گئی ہے ۔ لہذا اس روایت پر زبانی طور پر ہمارا ایمان ہے اور عملی طور پر پوری امت اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ۔ آخر یہ دوغلی پالیسی ہمارا پیچھا کب چھوڑے گی کب اس منافقت اور تقیہ بازی سے عہدہ برآ ہوں گے ۔ ؟

حضرت خدیجہؓ کی عمر

ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا تو ان کی عمر چالیس سال تھی ۔ یہ ایک تاریخی روایت تھی جس کا حقیقت پر مبنی ہونا کوئی ضروری نہ تھا لیکن اس کا پروپیگنڈہ اس حد تک کیا گیا کہ اس نے ایک مذہبی حیثیت اختیار کرلی ۔ حتیٰ کہ اس واقعہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دور شباب ایک بوڑھی عورت کے ساتھ گزار دیا ۔ اور اس بڑھاپے میں ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں ۔ زینب ، رقیہ ، ام کلثوم ، فاطمہ اور تین صاحبزادے جن کا نام قاسم ، طیب ، اور طاہر پیدا ہوئے اور بقول بعض چار صاحبزادے پیدا ہوئے جن میں ایک صاحبزادے کا نام عبداللہ تھا ۔ اور بعض حضرات کا قول ہے کہ عبداللہ ہی کو طیب اور طاہر کہا جاتا ہے ۔

حضرت خدیجہؓ کے دو نکاح پہلے ہو چکے تھے ۔ ایک ابو ہالہ ہند بن بناش بن زرارہ تمیمی سے ہوا ان سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے لڑکے کا نام ہند اور لڑکی کا نام ہالہ تھا ۔ ابو ہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عائذ مخزومی کے عقد نکاح میں آئیں ۔ ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام بھی ہند تھا ۔ اسی باعث حضرت خدیجہؓ کی کنیت ام ہند تھی ۔ حضرت خدیجہؓ کے لڑکے ہند نے اسلام قبول کیا تھا ۔ ان سے حضورؐ کا حلیہ مبارک شمائل ترمذی میں مروی ہے ۔ (سیرت النبی ج ۲: ص ۴۰۲)

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے یہاں جوانی میں چار اولادیں ہوئیں لیکن بڑھاپے میں سات یا آٹھ بچے پیدا ہوئے جو قطعاً خلاف عقل ہے ۔ اس لئے کہ از روئے حکمت عموماً ۴۵ سال کے بعد عورت بچے جننے کے قابل نہیں رہتی ۔ کجا یہ کہ چالیس سال کی عمر کے بعد آٹھ بچے پیدا ہونا ۔ مستشرقین اور اسلام دشمنوں کا تمام زور اس پر ہوتا ہے کہ یہ صورت حال خلاف عقل ہے ۔ اور وہ اس واقعہ کو پیش کر کے اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں اور ہمارے علماء اسے ایک اچھا خاصا معجزہ تصور کرتے ہیں ۔ بلکہ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں شمار کرتے ہیں کہ آپ نے ایک بوڑھی عورت سے جوانی میں شادی فرمائی

دوسری جانب سبائی اس صورت حال کو پیش کر کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ چونکہ بڑھاپے میں اتنی اولاد ہونا ممکن نہیں لہذا (زینب ، رقیہ اور ام کلثوم آپ کی صاحبزادیاں

نہیں) آپ کے صرف دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں ۔

ساتھ ساتھ وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کی عمر شادی کے وقت چالیس سال تھی اگرچہ وہ عمروں کا کھیل کھیلنے میں ماہر ہیں ۔ لیکن غلطی سے یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ نبوت کے پانچ سال بعد پیدا ہوئیں ۔ گویا جب حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئیں تو حضرت خدیجہ کی عمر ساٹھ سال ہوئی ۔ اس لحاظ سے اگر حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کا حضرت خدیجہؓ کی اولاد ہونا ممکن نہیں ، تو حضرت فاطمہ کا ان کی اولاد ہونا تو قطعاً محال ہوا ۔ انھیں اولاً یہ ثابت کرنا چاہیے کہ ساٹھ سال کی عمر میں اولاد ہو بھی سکتی ہے یا نہیں ۔ اور جب اس کا ثبوت بہم پہونچا دیں تو پھر یہ ثابت کریں کہ فاطمہؓ خدیجہؓ کی اولاد ہیں ، ملت سبائیہ جب یہ دونوں امور ثابت کر دے گی تو ہم یہ ثابت کر دیں گے کہ یہ چاروں صاحبزادیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہؓ سے پیدا ہوئی ہیں

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت خدیجہ کی عمر میں اختلاف ہے ۔ اور اس معاملہ میں مورخین کے مختلف اقوال ہیں ۔ ایک قول ہے کہ چالیس سال کی عمر تھی ۔ ایک قول ۳۵ سال کا ، ایک قول تیس کا ، ایک قول ستائیس کا اور ایک قول ہے کہ صرف پچیس سال عمر تھی ۔ سبائی مورخین نے یہ کارنامہ انجام دیا کہ صرف چالیس کا قول نقل کیا بقیہ اقوال نقل نہیں کئے اور چالیس سال کی عمر کے قول کو اتنی شہرت دی کہ دیگر اقوال کالعدم ہوگئے ۔ حتیٰ کہ ہمارے علماء اور بعد کے تمام مورخین اس قول کو قطعی تصور کر بیٹھے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں ۔

ونقل البیهقی عن الحاکم انه کان عمر رسول الله صلی الله علیه وسلم حین تزوج خدیجه خمسا و عشرین سنة و کان عمر ما اذذاک خمسا و ثلاثین و قیل خمسا و عشرین سنة

البدایة ج ۲ : ص ۲۹۵

بیہقی نے حاکم سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ سے نکاح فرمایا تو آپ کی عمر پچیس سال تھی ۔ اور حضرت خدیجہ کی عمر پینتیس سال تھی اور ایک قول یہ ہے کہ پچیس سال تھی ۔

یعنی بیہقی و حاکم کا قول یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی عمر اس وقت پینتیس سال تھی ۔

ساتھ ساتھ یہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ پچیس سال عمر تھی ۔

دوسرے مقام پر حافظ ابن کثیر حضرت خدیجہؓ کی وفات کے وقت کل عمر بیان کرتے

ہوئے لکھتے ہیں۔

وبلغت خديجة خمسا و ستين ويقال خمسين و هو اصح۔

(البدایہ والنہایہ ج ۲: ص ۲۹۴

حضرت خدیجہؓ کی عمر پینسٹھ سال ہوئی۔ ایک قول ہے کہ پچاس سال ہوئی۔ اور یہی صحیح ہے۔

اس پر تمام محدثین و مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت خدیجہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں پچیس سال رہیں اور نبوت کے دسویں سال ان کا انتقال ہوا۔ حافظ ابن کثیر نے یہ کہہ کر کہ صحیح یہ ہے کہ ان کی عمر پچاس سال ہوئی یہ ثابت کر دیا کہ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ کی عمر صرف پچیس سال تھی۔ اور حافظ ابن کثیر نے ایک لفظ میں یہ ثابت کر دیا کہ بقیہ اقوال غلط ہیں۔ اتنی صریح وضاحت کے باوجود ہم صرف ایک سنی سنائی گپ پر ایمان لاتے رہے اور اتفاق سے اس مرض لا علاج میں ہم خود بھی مبتلا تھے لیکن جب حافظ ابن کثیر کی البدایہ و النہایہ کا مطالعہ کیا تو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے کہ ہم کتنی بڑی غلط فہمی کا شکار تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین۔

فہرست کتب

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی مطبوعات

مکان نمبر ون۔اے ۳/۷، ناظم آباد نمبر ۱، کراچی ۷۴۶۰۰
فون: ۶۲۱۴۴۹

علامہ حبیب الرحمٰن کاندھلوی کی تالیفات

۱	مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت (چار جلد)	۸۵/
۲	شب برات۔ایک تحقیقی جائزہ	۱۰۰/
۳	شب برات کیا ہے؟	۱۵/
۴	صحابہ کرامؓ قرآن کی نظر میں	۷۵/
۵	کیا ہمارا قرآن ایک ہے؟	۷۵/
۶	عقیدہ ایصال ثواب قرآن کی نظر میں	۴۵/
۷	فاتحہ خلف الامام	۲۰/
۸	تحقیق عمر عائشہ	۱۵/
۹	عقیدہ ظہور مہدی	۱۵/
۱۰	کیا متعہ حلال ہے؟	۶/
۱۱	سماع حسن بصری	۶/
۱۲	اسلام میں حفظ مراتب پر ایک تحقیقی نظر	۶/
۱۳	اہمیت تبلیغ	۱۵/
۱۴	Age of Ayesha	50/
۱۵	Religious Tales Fact and Fiction	
		Rs. 210/-

علامہ تمنا عمادی مجیبی پھلواروی کی تالیفات

۱	اعجاز القرآن اور اختلاف قرات	۲۰۰/
۲	امام زہری و طبری کی تصویر کا دوسرا رخ	۸۵/
۳	انتظار مہدی و مسیح فن رجال کی روشنی میں	۸۵/
۴	جمع القرآن	۸۰/
۵	مذاکرہ ایصال ثواب کی دوسری نشست	۴۰/
۶	کیا اختلاف امت رحمت ہے؟	۱۵/
۷	القصیدہ الزہرہ حصہ نثر	۲۵/
۸	〃 حصہ نظم	۵۰/
۹	وصیت وراثت اور کلالہ	۵۰/
۱۰	سبیل المومنین	۱۵/
۱۱	اخلاقی کمزوریاں	۵/
۱۲	نماز پنجگانہ کا قرآنی ثبوت	۳۵/

ٹرسٹ کی دیگر مطبوعات

۱	تفصیل خواہش کا قانون	شستر لیسارٹر (ترجمہ محمد عرفانی)	۱۸۰/
۲	شمع حقیقت	قاضی محمد علی (انڈیا)	۸۵/
۳	وراثت	مقبول احمد مدنی	۱۵/
۴	تصوف پر ہندوستانی اثر	ڈاکٹر محمد عمر	۱۵/
۵	اسلام اور تصوف	جاوید احمد غامدی	۱۲/
۶	حقیق اہل بیت	مفتی محمد طاہر مکی	۱۲/
۷	تقلید	مولوی محمد (انڈیا)	۹/
۸	رسم جہیز (قرآن کی روشنی میں)	ڈاکٹر محمد نیاز	۵/
۹	معجزات نبوی		۱۵/
۱۰	عذاب قبر	محمد فاضل (مدیر الحق)	۱۲/
۱۱	عذاب قبر	السید انور مختار	۶/
۱۲	عذاب قبر	قمر احمد عثمانی	۳۵/
۱۳	عقیدہ نزول مسیح و مہدی	مولانا عبداللہ سندھی	۲۰/
۱۴	قاتلان حسین کی خانہ تلاشی	مولانا عبدالشکور فاروقی	۳۰/

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل مصنفین کی تصنیفات دستیاب ہو سکتی ہیں۔

۱۵	خلافت معاویہ و یزید	محمود احمد عباسی	۱۰۰/
۱۶	بادشاہ بیگم اودھ	〃	۴۰/
۱۷	رسومات محرم و تعزیہ داری	〃	۱۲/
۱۸	تحقیق مزید	〃	۱۵۰/
۱۹	ام ہانی	〃	۳۰/
۲۰	حیات سیدنا یزید	محمد عظیم الدین صدیقی	۵۵/
۲۱	واقعہ کربلا اور سیدنا یزید	〃	۵۰/
۲۲	درس توحید حصہ اول	〃	۵/
۲۳	درس توحید حصہ دوم	〃	۱۲/
۲۴	حقیقت وسیلہ	〃	۲۵/
۲۵	دینی نفسیات	مفتی محمد اسحاق ندوی	۱۵۰/
۲۶	المہد حقیقت جلد اول		۱۰۰/
۲۷	المہد حقیقت جلد دوم		۱۰۰/
۲۸	المہد حقیقت جلد سوم		۱۰۰/